الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

جہاز بندرگاہ میں زیادہ محفوظ ہوتے ہیں
مگر جہاز بندرگاہ کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں

جون ۱۹۸۴ء قیمت فی پرچہ — تین روپے شمارہ ۹۱

تذکیر القرآن

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ - سورۃ توبہ

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ھدیہ مجلّد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

سی - ۲۹ ، نظام الدین ویسٹ ، نئی دہلی ۱۳

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

جون ۱۹۸۴
شمارہ ۹۱

سی-۲۹ نظام الدین ویسٹ۔ نئی دھلی ۱۱۰۰۱۳

متفقین سے گزارش

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ ایک مشن ہے۔ جو لوگ اس مشن سے متفق ہیں ان سے ہماری درخواست ہے کہ حسب ذیل پروگرام میں شرکت کرکے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

۱۔ ماہنامہ الرسالہ کی ایجنسی قائم کریں (شرائط ایجنسی آخر میں ملاحظہ فرمائیں)
۲۔ الرسالہ کے ادارہ سے چھپی ہوئی کتابیں لوگوں کے درمیان پھیلائیں۔
۳۔ اجتماعات کے مواقع پر بک اسٹال لگائیں جس میں الرسالہ اور کتابیں رکھی جائیں۔
۴۔ متفقین کو جوڑ کر ہفتہ وار اجتماع کریں۔
۵۔ مساجد اور دوسرے اجتماعی مقامات پر تذکیر القرآن پڑھ کر سنائیں۔
۶۔ مختلف علاقائی زبانوں میں الرسالہ کی مطبوعات کے ترجمے شائع کریں۔

سکریٹری اسلامی مرکز

زرتعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دوسو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

تقویٰ کی علامت

قرآن میں قربانی کے جانور کو شعیرہ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج ۳۷) اگر جانوروں کی قربانی سے سادہ طور پر صرف جانور کی قربانی مراد ہو تو یہاں یہ کہنا بے موقع ہے کہ خدا کو تمہارا ذبح کیا ہوا جانور نہیں پہنچتا بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ اسلام میں کچھ چیزیں بطور شعیرہ یا علامت (Symbol) مقرر کی گئی ہیں۔ انھیں میں سے ایک قربانی کا جانور بھی ہے۔ شعیرہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی معنوی حقیقت کے لئے ظاہری علامت کا کام دے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ بندے اپنے مخالف اسلام جذبات کو اللہ کی خاطر ذبح کریں۔ یہ ایک نفسیاتی ذبح ہے اور اس نفسیاتی ذبح کی علامت کے طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ آدمی ایک جانور کو ذبح کرے۔

جانور کے ذبح کے وقت آدمی اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کرتا ہے: انّ صلاتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین (میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کی قربانی ایک معنوی حقیقت کی ایک ظاہری علامت ہے۔ اسی شخص کی قربانی قربانی ہے جو جانور کو ذبح کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ وہ اپنے پورے وجود کو اللہ کے لئے قربان کر رہا ہے۔ جس کے لئے ذبح کیا ہوا جانور اس کے اپنے جذبات واحساسات کے ذبیحہ کا محسوس پیکر بن جائے۔

روزہ بھی اسی قسم کا ایک شعیرہ (علامت) ہے۔ ترک طعام حقیقۃً ترک معاصی کی علامت کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ غذا آدمی کی ضروریات کی آخری حد ہے۔ روزہ میں غذا کا ترک بندہ کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ ــــ خدایا، دوسری چیزیں تو درکنار، میں پانی اور کھانا تک کو تیری خاطر چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پانی چھوڑ دے۔ روزہ کی اصل حقیقت غلط کاری سے بچنا ہے۔ جو شخص غلط کاری کو نہ چھوڑے اور وقتی طور پر صرف کھانا اور پینا چھوڑ دے اس نے گویا علامتی عمل کیا اور اصلی عمل کو چھوڑے رکھا۔ ایسی بے روح چیز کی خدا کو کیا ضرورت۔

ایک پکار

اسلامی مرکز کی ابتدا نومبر ۱۹۷۰ میں ہوئی۔ ۱۹۷۶ میں ماہنامہ الرسالہ جاری ہوا۔ اور مکتبہ الرسالہ قائم ہوا۔ ان کا خاص مقصد اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنا ہے۔

اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے اس مشن کو غیر معمولی کامیابی عطا فرمائی۔ الرسالہ آج سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اسلامی رسالہ ہے۔ ہماری مطبوعات سارے عالم اسلامی میں پھیل چکی ہیں۔ ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی اڈیشن فروری ۱۹۸۴ سے برابر ہر ماہ نکل رہا ہے۔ مکتبہ الرسالہ کی متعدد کتابیں عربی اور دوسری زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب (مذہب اور جدید چیلنج) مختلف عالمی یونی ورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔ دوسری کتاب (پیغمبر انقلاب) کو بین اقوامی مقابلہ سیرت میں اول انعام مل چکا ہے۔ حیدرآباد میں اسلامی مرکز کی ایک مکمل شاخ قائم ہو گئی ہے۔ وغیرہ

اب ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ الرسالہ کو عربی اور ہندی زبان میں بھی شائع کیا جائے۔ اسی کے ساتھ ملک کی اہم علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی، تعلیمی و تربیتی ادارہ، مکمل اسلامی لائبریری، جدید پرنٹنگ پریس اور اس طرح کے دوسرے کام اب اسلامی مرکز کی فوری ضرورت بن چکے ہیں۔

اسلامی مرکز کے کام کو باقی رکھنا اور اس کو ترقی دینا کثیر وسائل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں ہم کو آپ کے خصوصی مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔

اسلامی مرکز کا مقصد دور جدید میں اسلام کا احیاء اور ملت اسلامی کی تعمیر ہے۔ یہ وقت کا اہم ترین کام ہے۔ ہم کو پوری امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور اپنے حلقہ تعارف میں بھی لوگوں کو اس کار خیر کی طرف متوجہ کریں گے۔

واضح ہو کہ اسلامی مرکز میں مختلف نوعیت کے شعبے ہیں۔ ان کے لئے عام عطیات و تعاون کے علاوہ زکوٰۃ و صدقات کی مد کی رقمیں بھی بھیجی جا سکتی ہیں۔ رقم بھیجتے ہوئے براہ کرم اس کی مد کی صراحت فرمائیں۔

وحید الدین خاں۔ صدر اسلامی مرکز
سی-۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳

قدرتی مناظر

مسٹر یو۔ کے موکھا پادھیائے لندن گئے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک معمر انگریز سے ہوئی جو پچاس سال پہلے برٹش راج کے زمانہ میں رائل ایئر فورس کے افسر کی حیثیت سے ہندستان میں مقیم تھا۔ اس نے مسٹر موکھا پادھیائے سے بہت دل چسپی کے ساتھ ہندستان کے حالات پوچھے۔ اس نے بتایا کہ اس کا قیام زیادہ تر بمبئی اور پونہ میں تھا۔ اس نے عجیب محویت کے انداز میں بتایا کہ بمبئی اور پونہ کے درمیان ٹرین کا سفر اس کو بہت پسند تھا۔ یہ پورا سفر دریاؤں، جنگلوں اور قدرت کے مناظر کے درمیان ہوتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں دوبارہ ہندستان جانا چاہتا ہوں تاکہ ان مناظر کو دیکھ کر خوشی حاصل کروں۔

مزید سوالات کے درمیان مسٹر موکھا پادھیائے نے مذکورہ انگریز کو بتایا کہ اب پونہ پہلے جیسا پونہ نہیں ہے۔ اب وہ پونے کہا جاتا ہے۔ اس کی آبادی دس گنا بڑھ گئی ہے۔ نئی نئی سڑکیں اور روشنیوں کے انتظام نے اس علاقہ میں قدرتی مناظر سے زیادہ مشینی مناظر کا ماحول پیدا کر دیا ہے یہ سن کر اچانک اس انگریز کا سارا شوق ختم ہو گیا۔ اس نے کہا:

No, I don't think I will go to India
My India probably does not exist.

نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھے انڈیا جانا چاہیے۔ میرا انڈیا اب غالباً موجود نہیں (ٹائمس آف انڈیا ۳ فروری ۱۹۸۴)

مشینی مناظر دیکھنے سے "انسان" یاد آتا ہے اور قدرتی مناظر کو دیکھنے سے "خدا" یاد آتا ہے۔ مشینی مناظر میں انسان کی کاریگری کا دھیان آتا ہے اور قدرتی مناظر میں خدا کی کاریگری کا۔ مشینی مناظر انسان کو انسان سے ملاتے ہیں اور قدرتی مناظر انسان کو خدا سے ملاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشینی مناظر میں انسان کو وہ سکون نہیں ملتا جو قدرتی مناظر میں اس کو ملتا ہے ــــــ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

قدرتی مناظر کیا ہیں۔ وہ خدا کی صفات کا آئینہ ہیں۔ آسمان کی وسعت خدا کی بے پایاں ہستی کا تعارف ہے۔ سورج خدا کے سراپا نور ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ دریا کی روانی خدا کے جوش رحمت کی گویا ایک تمثیل ہے۔ پھولوں کی مہک اور خوبصورتی خدا کے حسن کی ایک دور کی جھلک ہے۔ اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو اس کو قدرتی مناظر میں خدا کا جلوہ دکھائی دے گا۔

کامیاب سفر

۲۰ جنوری ۱۹۸۴ کی صبح کو تھائی ایرویز کا جہاز (Boeing 747) کراچی سے پچھم کی طرف اڑا۔ یہ ۲۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑان کر رہا تھا۔ عین اسی وقت انڈین ایئر لائنز کا ایک جہاز بمبئی سے دہلی کی طرف جانے والا تھا۔ انڈین ایئر لائنز کے جہاز کو بھی ۲۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑنا تھا۔ اس کی روانگی ہونے ہی والی تھی کہ عین وقت پر معلوم ہوا کہ تھائی ایئرویز کا جہاز اسی سمت میں آرہا ہے۔ اگر انڈین ایئر لائنز کا پائلٹ اپنے پروگرام کے مطابق اپنا جہاز اڑاتا تو منڈسور (مدھیہ پردیش) کے اوپر دونوں کا ٹکراؤ ہو جاتا۔ تھائی ایئرویز کا جہاز بھی اپنے تمام مسافروں کے ساتھ برباد ہو جاتا اور انڈین ایئر لائنز کا جہاز بھی (ٹائمس آف انڈیا ۲۵ جنوری ۱۹۸۴)

ایئر ٹرافک کنٹرول کو بالکل آخری وقت میں اس کی اطلاع مل سکی۔ اس نے فوراً انڈین ایئر لائنز کے کیپٹن سے کہا کہ تم یا تھائی ایئرویز کے جہاز سے نیچے (۲۵ ہزار فٹ) کی بلندی پر اڑان کرو یا اگر تم ۲۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اپنا جہاز اڑانا چاہتے ہو تو پچیس منٹ دیر سے اڑان شروع کرو۔ انڈین ایئر لائنز کے کیپٹن نے دوسری تجویز کو پسند کیا اور پچیس منٹ کی دیر کے بعد اپنا جہاز اڑایا۔ اس طرح دو جہاز بین فضائی ٹکراؤ (Mid-air collision) سے بچ گئے۔ انڈین ایئر لائنز کا جہاز اپنے ابتدائی پروگرام کے مطابق منڈسور کے اوپر سے صبح سات بجے گذرتا، مگر پروگرام کی تبدیلی کے بعد وہ منڈسور کے اوپر سے صبح ساڑھے سات بجے گذرا۔

انڈین ایئر لائنز کے ایک افسر نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک معجزہ تھا جس نے دونوں جہازوں کے مسافروں کو بچالیا،

It was a miracle which saved passengers on both aircrafts.

یہی وسیع تر اعتبار سے زندگی کا معاملہ بھی ہے۔ اگر آپ "۲۹ ہزار فٹ" کی بلندی پر اڑنا چاہتے ہیں تو اس کو نہ بھولئے کہ یہاں دوسرے لوگ بھی ہیں اور وہ بھی ۲۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑان کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ کے لئے دو ہی صورت ہے۔ یا تو دوسروں کا لحاظ کئے بغیر اپنی اڑان شروع کر دیں اور پھر تباہ ہو کر جھوٹی قربانی کی مثال قائم کریں۔ یا پھر یہ "معجزہ" دکھائیں کہ دوسرے سے نیچے اڑ کر آگے نکل جائیں یا "آدھ گھنٹہ" کی تاخیر سے اپنی اڑان شروع کریں۔ دونوں صورتوں میں آپ کامیاب رہیں گے اور حفاظت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچیں گے۔

پچپن سال کے بعد

طبیہ کالج (قرول باغ، دہلی) نے ایک بار رات کی کلاسیں شروع کی تھیں تاکہ ملازمت پیشہ لوگ اس میں داخلہ لے کر طبی کورس کریں اور اپنے خالی اوقات میں پریکٹس کر سکیں۔ انھیں داخلہ لینے والوں میں سے ایک مسٹر رمیش دتہ تھے۔ وہ اکاونٹ آفس میں کام کرتے تھے اور اسی کے ساتھ رات کے کلاس میں شریک ہو کر بی آئی ایم ایس (B.I.M.S.) کا کورس کر رہے تھے۔ ۱۹۵۵ کا واقعہ ہے، ان کے استاد ڈاکٹر انوار احمد صاحب نے ایک بار ان سے پوچھا: دتہ جی، آپ تو ایک اچھی ملازمت میں ہیں۔ پھر آپ بی آئی ایم ایس کا کورس کیوں کر رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا:

"نوکری پچپن سال کی ہے اور زندگی سو سال کی۔ پھر نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد کیا کروں گا"۔

کہنے والے نے زندگی کی جو تقسیم موجودہ دنیا کے اعتبار سے کی ہے وہی تقسیم وسیع تر معنوں میں دنیا اور آخرت کے اعتبار سے ہے۔ دنیا میں انسان کی عمر کو اگر پچپن سال سمجھیں اور آخرت کی طویل تر زندگی کو علامتی طور پر "سو سال" سمجھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر آدمی وسیع تر معنوں میں اسی سوال سے دوچار ہے۔ تاہم ہر آدمی کو صرف اپنے "۵۵" سال کی فکر ہے، کسی کو اپنے "سو سال" کے بارہ میں کوئی پریشانی نہیں۔

دنیا کی "۵۵ سالہ" زندگی کے لئے ہر آدمی سرگرم ہے۔ ہر آدمی اپنی ساری طاقت خرچ کر کے اس کی تعمیر میں لگا ہوا ہے۔ اس معاملہ میں ہر آدمی اتنا زیادہ سنجیدہ ہے کہ وہ فوراً اس کے نشیب و فراز کو سمجھ لیتا ہے۔ وہ اس کے کسی موقع کو کھونا کسی حال میں گوارا نہیں کرتا۔

دوسری طرف "سو سالہ" زندگی جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے، اس کی کسی کو پروا نہیں۔ اس معاملہ میں آدمی نہ کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس کرتا اور نہ کچھ کرنے کی۔ یہاں کوئی یہ کہنے والا نہیں ملتا کہ — موت سے پہلے کی زندگی تو صرف "۵۵ سال" کی ہے اور موت کے بعد کی زندگی "سو سال" کی۔ پھر اگر ابھی سے میں نے تیاری نہ کی تو موت کے بعد کی "سو سالہ زندگی" میں میں کیا کروں گا۔ کیا عجیب ہے وہ انسان جو تھوڑی زندگی کے لیے تو بہت زیادہ کر رہا ہے مگر زیادہ زندگی کے لئے کچھ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں (۲۶ جنوری ۱۹۸۴)

غالباً یہی صورت حال ہے جس کی طرف حدیث میں الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے — میں نے جہنم سے زیادہ سخت چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والا سو گیا ہو۔ اور میں نے جنت سے زیادہ قیمتی چیز نہیں دیکھی جس کا چاہنے والا سو گیا ہو۔

اتحاد کا راز

چڑیا گھر میں سیکڑوں لوگ موجود تھے۔ کوئی کھلے سبزہ پر بیٹھا ہوا کھا پی رہا تھا۔ کوئی طرح طرح کے جانوروں کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اِدھر اُدھر بے فکری کے ساتھ گھوم رہا تھا۔

اتنے میں دھاڑنے کی آواز آئی اور اسی کے ساتھ یہ خبر اڑی کہ ایک شیر اپنے کٹہرے سے باہر آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ بیرونی گیٹ کی طرف بھاگے۔ جو لوگ اب تک "مختلف" نظر آرہے تھے، وہ سب کے سب "متحد" ہو کر ایک رخ پر چل پڑے۔ ہر قسم کی مختلف سرگرمیاں ختم ہو کر ایک نقطہ پر مرتکز ہو گئیں۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح شدت خوف رایوں کے تعدد کو ختم کر دیتا ہے۔ ایسے وقت میں ہر آدمی اسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔ ہر آدمی اسی ایک چیز سے ڈرنے لگتا ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے کے قابل ہے۔ ہر آدمی کا خیال اسی ایک چیز کی طرف لگ جاتا ہے جس کی طرف دوسرے آدمی کا خیال لگا ہوا تھا۔

آخری قابل لحاظ چیز ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ آخری چیزیں تعدد نہیں۔ لوگوں کے درمیان اختلاف اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ آخری چیز پر نہیں ہوتے۔ آدمی کے اوپر جب شدید ترین اندیشہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو دوسرے اور تیسرے درجہ کی تمام چیزیں اپنے آپ حذف ہو جاتی ہیں۔ اس وقت لازماً ایسا ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کی توجہ "آخری اہم ترین چیز" کی طرف لگ جاتی ہے۔ اس سے کم درجہ کی تمام چیزیں خود بخود حذف ہو جاتی ہیں۔ اور جہاں آخر سے پہلے کی تمام چیزیں حذف ہو جائیں وہاں اتحاد کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

اختلاف اس صورت حال کا نام ہے کہ لوگوں کی نظریں آخری اہم ترین چیز پر لگی ہوئی نہ ہوں۔ اس لئے اتحاد کی واحد کامیاب تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کی نظریں کم اہم یا غیر اہم چیزوں سے ہٹا دی جائیں۔ کسی ملک پر دشمن کے حملہ کے وقت یہی چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر پوری قوم متحد ہو جاتی ہے۔ دشمن کے خطرہ سے زیادہ بڑا خطرہ خدا کی پکڑ کا خطرہ ہے۔ اس لئے جس قوم میں خدا کا ڈر پیدا ہو جائے وہ لازمی طور پر دنیا کی سب سے زیادہ متحد قوم بن جائے گی۔

مطالعہ بتاتا ہے کہ دشمن کے خطرہ کے وقت جانور بھی متحد ہو جاتے ہیں۔ خطرناک سیلاب میں کتا اور بلی یا نیولا اور سانپ دونوں ایک جگہ چپ چاپ بیٹھے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ مگر یہ اتحاد کی حیوانی سطح ہے۔ انسانی اتحاد وہ ہے جو خدا کے خوف اور آخرت کے فکر سے پیدا ہو۔ یہ دوسرا اتحاد زیادہ اعلیٰ ہے اور زیادہ پائدار بھی۔

دعوتی ذہن

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ - ۶۲ ھ) کی سلطنت کے حدود سندھ اور بخارا سے لے کر مراکش اور اندلس تک بلکہ فرانس تک پہنچے ہوئے تھے۔ مگر آپ کے اندر ذرا بھی عیش اور گھمنڈ نہ تھا۔ آپ نے خلافت کا کام اتنے عادلانہ انداز سے چلایا کہ مفتوحہ ممالک میں بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے۔

آپ کے زمانہ میں جراح بن عبداللہ خراسان کا گورنر تھا۔ اس کے متعلق آپ کو خبر پہنچی کہ ذمیوں میں سے جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں ان سے بھی وہ جزیہ وصول کرتا ہے۔ آپ نے یہ شکایت سن کر جراح بن عبداللہ کے پاس حکم بھیجا کہ "جو شخص نماز پڑھتا ہو اس سے جزیہ نہ لو"

لوگوں کو جب اس کی خبر معلوم ہوئی تو لوگ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جراح بن عبداللہ کو خیال ہوا کہ یہ لوگ دل سے اسلام قبول نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ صرف جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام کا کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ختنہ کے ذریعہ لوگوں کا امتحان لینا شروع کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ جس شخص نے ختنہ کرایا ہو صرف وہی مسلمان سمجھا جائے گا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مذکورہ گورنر کو دوبارہ لکھا:

اللہ نے اپنے پیغمبر کو داعی بنا کر بھیجا ہے، خاتن بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح ایک گورنر نے آپ سے یہ شکایت کی کہ مفتوحہ ممالک میں لوگ کثرت سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ چونکہ اسلام کے بعد جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے لوگوں کے کثرت اسلام سے مملکت کا مالیہ بہت کم ہو گیا ہے۔ یہی حالت رہی تو خزانہ خالی ہو جائے گا۔ آپ نے گورنر کو لکھا کہ تمہاری خرابی ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے، وہ ٹیکس وصول کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (ویحك ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بُعث هادیا و لم یُبعث جابیا)

آدمی کا رویہ ہمیشہ اس لحاظ سے بنتا ہے کہ اس کے سامنے جو مقصد ہے وہ کیا ہے۔ ایک مسلم حکمراں کا مقصد اگر طاقت اور دولت ہو تو وہ اسلامی دعوت کے کام کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وہ ہر چیز کو اس لحاظ سے دیکھے گا کہ اس سے طاقت اور قوت بڑھانے میں کیا مدد مل سکتی ہے۔

اس کے برعکس حکمراں اگر دعوتی ذہن رکھتا ہو تو وہ دوسرے مفادات کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وہ ہر دوسرے نقصان کو گوارا کر لے گا مگر دعوت میں کسی بھی قسم کے نقصان کو گوارا نہیں کرے گا۔

ہر معاملہ خدا کا معاملہ

ابو مسعود انصاری مدینہ کے ایک مسلمان تھے۔ ایک روز وہ کسی بات پر اپنے غلام سے بگڑ گئے اور اس کو ڈنڈے سے مارنے لگے۔ عین اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابو مسعود، جان لو کہ خدا تمھارے اوپر اس سے زیادہ قابو رکھتا ہے جتنا تم اس غلام پر قابو رکھتے ہو (اعلم ابا مسعود للہ اقدر علیك منك علیه) یہ سنتے ہی ابو مسعود کے ہاتھ سے ڈنڈا چھوٹ کر گر گیا۔ اور انھوں نے کہا کہ آج سے یہ غلام آزاد ہے۔

ابو مسعود پہلے معاملہ کو ایک انسان اور دوسرے انسان کا معاملہ سمجھتے تھے۔ اس وقت انھیں نظر آتا تھا کہ وہ مالک ہیں اور دوسرا آدمی غلام۔ اپنی ذات انھیں اونچی سطح پر نظر آئی اور غلام کی ذات نیچی سطح پر۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کے بعد انھیں نظر آیا کہ سارا معاملہ خدا کا معاملہ ہے۔ اب انھیں اپنا وجود بھی وہیں پڑا ہوا نظر آیا جہاں وہ اپنے غلام کو بٹھائے ہوئے تھے۔ دونوں یکساں طور پر خدا کے آگے عاجز نظر آئے۔ یہی وجہ تھی کہ اٹھا ہوا ڈنڈا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ سماجی زندگی کی تمام خرابیاں اسی لیے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی معاملہ کو انسان کی نسبت سے دیکھتا ہے نہ کہ خدا کی نسبت سے۔ ایک آدمی کو دولت مل جائے تو وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا سمجھنے لگتا ہے جن کے پاس دولت نہیں۔ حالانکہ اگر وہ خدا کی نسبت سے دیکھے تو اس کو نظر آئے گا کہ وہ بھی اتنا ہی مفلس ہے جتنا کوئی دوسرا شخص۔ کسی آدمی کو بڑا عہدہ مل جائے تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں تمام لوگوں سے بڑا ہوں۔ حالانکہ اگر وہ خدا کی نسبت سے دیکھے تو وہ پائے گا کہ وہ بھی اتنا ہی حقیر ہے جتنا کہ دوسرے لوگ۔ ایک آدمی تیز ہے اور دوسرے کے خلاف زبان چلا رہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنے مقابلہ میں وہ اس کو کمتر سمجھ رہا ہے۔ اگر وہ خدا کی نسبت سے دیکھے تو اس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جائے کیوں کہ خدا کی نسبت سے وہ بھی اتنا ہی بے زور ہے جتنا کہ دوسرا آدمی۔

لوگ اگر معاملات کو ایک انسان اور دوسرے انسان کا معاملہ نہ سمجھیں بلکہ ایسا معاملہ سمجھیں جو بالآخر خدا کے سامنے پیش ہونے والا ہے تو ہر قسم کی برائی کی جڑ کٹ جائے۔ کسی کے لیے گھمنڈ، حسد، جاہ پسندی اور بے انصافی کا موقع باقی نہ رہے۔

اس کے بعد ہر آدمی کے ہاتھ سے اس کا ڈنڈا اسی طرح چھوٹ کر گر پڑے جس طرح حضرت ابو مسعود انصاری کے ہاتھ سے ان کا ڈنڈا چھوٹ کر گر پڑا تھا۔

اطاعت

غزوۂ موتہ ہجرت کے آٹھویں سال پیش آیا۔ محمد بن جریر الطبری (۳۱۰-۲۲۴ھ) نے اپنی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں غزوۂ موتہ کے ذیل میں لکھا ہے:

حدثنا ابو قتادۃ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال بعث رسول اللہ جیش الامراء فقال: علیکم زید بن حارثۃ فان اصیب فجعفر بن ابی طالب، فان اصیب جعفر فعبد اللہ بن رواحۃ۔ فوثب جعفر فقال یا رسول اللہ ما کنت اذھب ان تستعمل زیداً علیّ۔ قال امضِ، فانک لا تدری ای ذالک خیر۔ فانطلقوا۔

حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کے لئے لشکر بھیجا۔ آپ نے کہا کہ زید بن حارثہ تمہارے سردار ہیں وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب سردار ہوں گے۔ اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سردار ہوں گے۔ یہ سن کر جعفر جھپٹ کر اٹھے اور کہا کہ اے خدا کے رسول، میں ایسے لشکر میں نہیں جاؤں گا جس میں آپ نے زید کو میرے اوپر سردار بنایا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ، کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ اس میں سے کیا زیادہ بہتر ہے۔ پھر لوگ روانہ ہوئے

مومن فرشتہ نہیں ہوتا۔ مومن بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ غیر مومن کے دل میں کوئی غلط خیال یا انحراف کی بات آجائے تو اس کے بعد وہ رکنا نہیں جانتا۔ وہ اپنے اسی خیال پر چل پڑتا ہے، خواہ اس کی غلطی اس پر کتنی ہی زیادہ واضح کی جائے۔ وہ دلیل کی پیروی نہیں کرتا، بلکہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔

اس کے برعکس سچے مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کو اس کی غلطی پر ٹوکا جائے اور اس کے انحراف پر اسے متنبہ کیا جائے تو وہ فوراً رک جاتا ہے۔ وہ اپنے خیال کو اپنا عمل نہیں بناتا۔ وہ اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔ وہ ہر وقت اپنی اصلاح کے لئے تیار رہتا ہے، خواہ اصلاح کی خاطر اس کو اپنی خواہش کے خلاف چلنا پڑے۔

مومن حق کا پابند ہوتا ہے اور غیر مومن صرف اپنے نفس کا پابند۔

قرآن جامع العلوم ہے

کسی شاعر کا شعر ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

قرآن میں سارا علم موجود ہے۔ مگر لوگوں کی فہم اس کو پانے سے قاصر ہو رہی ہے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری اس عربی شعر کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ کسی غبی کا شعر ہے۔ اور زیادہ جلال آنے پر اس شعر کے کہنے والے کو غبی الاغبیا ر کہتے تھے (حیات انور) مگر قرآن میں خود اس کتاب کو کتاب مفصل (الانعام ۱۱۴) کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل (یوسف ۱۱۱) موجود ہے۔ ان حالات میں شاعر نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا ہے کہ، قرآن کی بات کو اپنے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ قرآن میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ مطلق اور عام ہیں۔ مگر تمام محقق علماء اس مطلق کو مقید کرتے ہیں۔ مذکورہ شعر کو بھی اسی معنی میں سمجھنا چاہئے۔ ورنہ قرآن میں تو ساری شریعت بھی موجود نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں سارا علم موجود ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن بجلی یا پٹرولیم انجینئرنگ کی ٹکسٹ بک ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ علم انسانی کے سرے قرآن میں موجود ہیں۔ وہ تمام اصولی اور اساسی باتیں قرآن میں موجود ہیں جو انسان کے لئے اس کی زندگی کی تعمیر کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

قرآن کا اصل اور براہ راست موضوع توحید اور آخرت ہے۔ وہ انسان کے سامنے خالق کا تعارف کراتا ہے اور آنے والی ابدی زندگی کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاہم اصل موضوع کی تفصیل کے دوران ضمنی طور پر وہ تمام باتیں بھی مذکور ہو گئی ہیں جو حیات دنیا کی تعمیر کے لئے اساسی اہمیت رکھتی ہیں۔

قرآن میں حضرت موسیٰ کا قصہ نہایت تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس قصہ سے اصلاً جو سبق دینا ہے وہ تمام تر توحید اور رسالت اور آخرت کے مسائل ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ اس میں بہت سے ایسے اشارے بھی شامل ہو گئے ہیں جن کا تعلق حیات دنیا کی تعمیر سے ہے۔ مثلاً مدین کے سفر کے دوران حضرت شعیب کی لڑکی کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ ان خیر من استاجرت القوی الامین (القصص ۲۶)

یہاں نہایت مختصر لفظوں میں وہ دو اہم ترین خصوصیت بتادی گئی ہے جو آجر کو اجیر کے تقرر کے وقت سامنے رکھنا چاہئے ایک یہ کہ وہ محنتی ہو اور دوسرے یہ کہ وہ دیانت دار ہو۔ یہ دو الفاظ اتنے جامع ہیں کہ ان پر جو اضافہ بھی کیا جائے گا وہ انھیں دونوں میں سے کسی کے تحت آجائے گا۔

حق کی دعوت

حضرت موسیٰ کو خدا نے فرعون کے سامنے دعوت حق کے لیے مقرر کیا تو بشری تقاضے کے تحت ان کے اندر کچھ گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ خدا نے فرمایا کہ تم جاؤ، میں تمھارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں (لاتخافا اننی معکما اسمع وارٰی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے کہ تم نے کنکری نہیں پھینکی بلکہ ہم نے پھینکی (وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمٰی۔ الانفال ۱۷)

اس طرح کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کے داعی کو خدا کی بے حد خصوصی مدد حاصل ہوتی ہے۔ دعوت حق کا کام اتنا مشکل کام ہے کہ کوئی انسان اس کو انجام نہیں دے سکتا۔ وہ اتنا نازک کام ہے کہ کوئی اس کی نزاکتوں کو نبھا نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف خدا ہی کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس کو انجام دے اور یقیناً خدا ہی اس کو اپنی طاقت سے انجام دیتا ہے۔

خدا ہر قسم کے کامل اختیارات کا مالک ہے۔ تاہم یہاں خدا کی ایک "مجبوری" ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کے درمیان دعوت حق کا کام انسان ہی کے ذریعہ انجام پائے۔ تاکہ غیب کا پردہ باقی رہے۔ ایمان در اصل نام ہے —— انکار کا موقع ہوتے ہوئے اقرار کرنے کا اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کام کو بشری سطح پر انجام دیا گیا ہو۔

یہاں خدا اور بندے کے درمیان ایک خاموش عہد ہے۔ خدا اس بندے کے ساتھ ہے جو خدا کے اس کام کے لئے اٹھے۔ خدا اس بات کا ضامن ہے کہ وہ اس کام کی انجام دہی کے لئے اپنے بندے کی ہر ممکن مدد کرے۔

وہ اس کی نادانیوں کو سنبھالے۔ وہ اس کی غلطیوں کو معاف کر دے۔ وہ اس کے ناموافق حالات کو موافق حالات میں تبدیل کر دے۔ وہ اس کو ہر قسم کے ضروری مواقع فراہم کرتا رہے۔ وہ کسی حال میں اس کو اکیلا نہ چھوڑے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں حق پر قائم رہے، وہ ذرا بھی دائیں یا بائیں نہ جھکے۔

دعوت حق کا کام مکمل طور پر ایک خدائی کام ہے۔ یہاں کرنا سب کچھ خدا کو ہے۔ بندے کو تو صرف کھڑا رہنا ہے۔

حقیقت سے بے خبری

امتحان ہال میں ہر طالب علم کو یکساں طور پر داخل ہونے اور بیٹھنے کے مواقع دئے جاتے ہیں مگر سند کی تقسیم کے وقت سند پانے کی خوشی ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی۔ یہ خوشی صرف اس طالب علم کا حصہ ہوتی ہے جو محنتی ہو۔ جس نے اپنے سال بھر کے وقت کو ضائع کرنے کے بجائے استعمال کیا ہو۔ ایسا طالب علم کامیابی کے ساتھ تمام سوالات کو حل کرتا ہے اور امتحان میں پاس ہو کر سند کا مستحق بنتا ہے۔

یہی حال وسیع تر معنوں میں زندگی کا بھی ہوتا ہے۔ موجودہ دنیا بے شمار نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور ہر آدمی اس سے متمتع ہو رہا ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں ہر چیز جو آدمی کو مل رہی ہے وہ امتحان کی قیمت میں مل رہی ہے۔ اس کے برعکس آخرت میں ہر چیز آدمی کو عمل کی قیمت میں ملے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں تو ہر آدمی خدا کی نعمتوں میں سے کچھ نہ کچھ اپنے لئے پالیتا ہے۔ مگر آخرت میں صرف وہی لوگ خدا کی نعمتوں کو پائیں گے جو اپنے عمل سے اس کا استحقاق ثابت کریں۔ باقی تمام لوگ اس سے محروم کر کے چھوڑ دئے جائیں گے۔

انسان زمین کے اوپر کس طرح اکڑ کر چلتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ زمین پر چلنا اس کا حق نہیں یہ صرف خدا کی طرف سے امتحان کی مہلت ہے۔ انسان یہاں دھوپ اور ہوا اور پانی اور غذا اور بے شمار دوسری چیزوں کو استعمال کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے لئے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف وقفۂ امتحان تک اس کے لئے ہیں۔ اس کے بعد وہ صرف اس شخص کے لئے ہوں گی جس نے ان کا حق ادا کیا ہو۔ باقی تمام لوگوں کے حصہ میں ابدی محرومی کے سوا اور کچھ نہیں آئے گا۔ انسان اختیار و اقتدار پا کر گھمنڈ کرنے لگتا ہے۔ اس کو خبر نہیں کہ یہ اختیار و اقتدار خدا کی امانت ہے۔ اور اس کو پا کر گھمنڈ کرنا خدا کی امانت میں خیانت کرنا ہے جس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ اس کو دائمی طور پر ہر قسم کے عزت اور اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔

یہ ایک بے حد نازک صورت حال ہے۔ ہر آدمی ایک انتہائی بھیانک انجام کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ اس دنیا کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ لوگوں کو اس صورت حال سے باخبر کیا جائے۔

موجودہ دنیا کی چیزوں کو جو لوگ ذاتی چیز سمجھ کر اس میں بے روک ٹوک تصرف کر رہے ہیں ان کا حال آخرت میں وہی ہوگا جو کسی بینک کے اس اکاؤنٹنٹ کا ہوتا ہے جو بینک کی الماری میں بھرے ہوئے نوٹوں کو اپنی ذاتی چیز سمجھ لے۔

عقیدۂ آخرت

جب بارش ہوتی ہے تو اس کا پانی دریاؤں میں بہہ نکلتا ہے۔ یہ پانی اگر حد کے اندر ہو تو اس سے انسان کو مختلف قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر حد سے بڑھ جائے تو سیلاب آجاتا ہے اور نقصانات کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے دریاؤں پر بند بنائے جاتے ہیں۔

بند (Dam) کا مقصد یہ ہے کہ دریا کے اندر پانی کے بہاؤ پر روک قائم کی جائے اور جب بھی پانی حد سے بڑھتا ہوا نظر آئے تو اس کے رخ کو موڑ کر دوسری طرف کر دیا جائے تاکہ وہ دریا میں بہنے کے بجائے علیحدہ بنے ہوئے عظیم گڑھے میں پہنچ جائے جس کو عام طور پر ذخیرۂ آب (Reservoir) کہا جاتا ہے۔

ایسا ہی کچھ معاملہ انسان کا بھی ہے۔ مختلف انسان جب مل جل کر رہتے ہیں تو بار بار شکایت کی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں تلخیاں ابھرتی ہیں۔ اگر اس شکایت اور تلخی کو بڑھنے دیا جائے تو اختلاف، باہمی عناد اور جنگ و مقابلہ کی نوبت آجاتی ہے۔ انسانی معاشرہ یا انسانی جماعت کا درست طور پر کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں انسان کے لئے بھی ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جس کی طرف اس کے بڑھے ہوئے منفی جذبات کو موڑا جا سکے۔ خدا اور آخرت کا عقیدہ یہی کام کرتا ہے۔ وہ اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والے جذبات کو انسان سے ہٹا کر خدا کی طرف موڑ دیتا ہے۔

حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں نے آپ کو باپ سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے دوسرے بھائی بن یامین کے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا۔ ان واقعات کے بعد قدرتی طور پر حضرت یوسف کے والد حضرت یعقوب کے اندر شدید جذبات پیدا ہوئے۔ آپ اپنے ان جذبات کا نشانہ اگر حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں کو بناتے تو زبردست انتشار اور اختلاف پیدا ہوتا۔ مگر آپ نے سارے جذبات کو خدا کی طرف موڑ دیا۔ آپ نے فرمایا انما اشکو ابثی وحزنی الی اللہ

یہ کسی انسانی معاشرہ کے لئے عقیدۂ آخرت کی بہت بڑی دین ہے۔ آخرت کا عقیدہ ہر آدمی کے پاس ایک Diversion pool رکھ دیتا ہے جس کی طرف وہ اپنے جذبات کے سیلاب کو پھیر سکے۔ اس کو نقصان ہو تو خدا سے حسن تلافی کی امید قائم کر لے۔ اس کو غصہ آئے تو خدا کی خاطر وہ اپنے غصہ کو پی جائے۔ اس کو کسی سے شکایت ہو تو اس کے معاملہ کو خدا کے حوالے کر دے۔

الفاظ ختم نہیں ہوئے

الرسالہ اپریل ۱۹۸۴ (آخری سفر) کے بارہ میں ہم کو کئی خطوط ملے ہیں جن میں شکایت کی گئی ہے کہ اس شمارہ میں "کچھ مضامین دوبارہ چھاپ دئے گئے ہیں"۔ ایسے لوگوں سے ہم کہیں گے کہ آپ نے ابھی اس شمارہ کو نہیں پڑھا۔ اگر آپ واقعۃً اس کو پڑھتے تو آپ کے ہوش وحواس گم ہو جاتے۔ اس شمارہ میں زندگی کے جس انتہائی سنگین مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ اگر انسان کی سمجھ میں آجائے تو اس کے اوپر ایسی سراسیمگی طاری ہو کہ اس کو یہ یاد ہی نہ رہے کہ کون سا مضمون پہلی بار چھپا ہے اور کون سا مضمون دوسری بار۔ کون سی بات پہلے کہی جا چکی تھی اور کون سی بات دوبارہ کہی جا رہی ہے۔

اگر آپ راستہ چل رہے ہوں اور اچانک کوئی شخص چیخ کر کہے "تمہارے آگے سانپ ہے سانپ"، تو کیا اس وقت آپ کو یہ ہوش رہے گا کہ آپ اس شخص سے بحث کریں کہ تم نے سانپ کا لفظ دوبار کیوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگوں کی بے خبری ہے جس نے انھیں تکرار اور بے تکرار جیسی باتوں میں مشغول کر رکھا ہے۔ اگر انھیں خبر ہو جائے تو "تکرار" کا لفظ وہ اس طرح بھول جائیں جیسے کہ انھوں نے کبھی اس لفظ کو جانا ہی نہ تھا۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ الرسالہ کے قارئین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو واقعۃً اس کو پڑھتے ہیں۔ اور اس سے وہ اثر لیتے ہیں جو انھیں لینا چاہئے۔ چنانچہ اگر ہم کو ایک طرف مذکورہ بالا قسم کے خطوط ملے ہیں تو اسی کے ساتھ ہم کو دوسری قسم کے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر الرسالہ کے ایک پرانے خریدار اپنے خط مورخہ ۶ اپریل ۱۹۸۴ میں آکولہ سے لکھتے ہیں:

"اپریل کا پرچہ (آخری سفر) ملا۔ پڑھ کر ہوش وحواس گم ہو گئے۔ واقعی اللہ نے آپ کے قلم میں جادو کا اثر رکھا ہے۔ رسالہ پڑھتے ہوئے کئی مرتبہ میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ رسالہ کی تعریف کے لئے تو میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ صرف دعا کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ نصیب فرمائے اور آپ کے قلم میں دلوں کو پلٹ دینے کی تاثیر رکھ دیں"۔

آہ، لوگوں کو اپنے "آخری سفر" کی ہولناکی کا اندازہ نہیں۔ اگر انھیں اس کا اندازہ ہو تو ان کی زبان بند ہو جائے۔ حتی کہ ان کے پاس یہ کہنے کے لئے الفاظ نہ رہیں کہ ــــــ تم نے چھپے ہوئے مضمون کو دوبارہ چھاپ دیا ہے۔

راستہ یہاں ہے

ہندستان کی آریہ سماج نے اپنی ۶۴ سالہ جشن جوبلی کے موقع پر مختلف مقامات پر ہفتہ منانے کا انتظام کیا تھا۔ اس سلسلے میں سیوہارہ (بجنور) میں نومبر ۱۹۵۹ میں ایک آل مذاہب کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر مختلف مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے اور مثبت انداز میں اپنے اپنے مذہب کا تعارف پیش کیا۔ راقم الحروف نے اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے ۲۹ نومبر ۱۹۵۹ کو اپنا یہ مقالہ پڑھا۔

۲۔ ہندستان میں ایک ادارہ ہے۔ اس کا صدر دفتر نئی دہلی میں ہے اور اس کا نام ہے مذاہب کی عالمی انجمن (World Fellowship of Religions) اس ادارہ کی تیسری سالانہ کانفرنس نئی دہلی میں ہوئی۔ اس میں ہندستان کے علاوہ بیرونی ملکوں سے مختلف مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس موقع پر ۲۷ فروری ۱۹۶۵ کے اجلاس میں میں نے مذہب اور سائنس کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

۳۔ آریہ سماج (الہ آباد) نے مئی ۱۹۶۰ میں اپنی گولڈن جوبلی منائی۔ اس سلسلے میں ۲۲ مئی کو الہ آباد میں سروددھرم سمیلن کا ایک پروگرام ہوا۔ اس سمیلن میں مختلف مذاہب کے علماء نے شریک ہوکر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ عنوان یہ تھا:

مانو وکاش کے لئے آپ کے ہی دھرم کو ماننا کیوں آوشیک ہے

راقم الحروف نے اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنا مقالہ (منزل کی طرف) پیش کیا۔

غیر مسلموں کے اجتماع میں اسلام کے تعارف کا مجھے بار بار موقع ملا ہے اور ہر بار یہ تجربہ میرے لئے بہت خوش گوار ثابت ہوا ہے۔ بجنور کے مذکورہ بالا اجتماع میں صدارت کی کرسی پر مراد آباد کے ایک آریہ سماجی وکیل تھے۔ آخر میں جب انہوں نے اپنی صدارتی تقریر کی تو انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے صفائی کے ساتھ کہا کہ یہاں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذہب کو پیش کیا ہے مگر "حقیقت یہ ہے کہ صرف مولانا صاحب تھے جنہوں نے موضوع کا حق ادا کیا"۔ —— یہ اعتراف حقیقۃً کسی شخص کا نہیں بلکہ اسلام کا تھا۔ اسلام کو جب بھی میدان میں لایا جائے گا وہ دوسرے دینوں کے مقابلہ میں ہمیشہ برتر ثابت ہوگا۔

ایک تقابل

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۹۴۶ میں پہلی بار حیدرآباد کا سفر کیا تھا۔ اس سفر کی روداد کے ذیل میں موصوف لکھتے ہیں :

" میں چوں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تنخواہ نہیں لیتا تھا، میرے پاس واجبی کپڑے تھے۔ اس سفر میں کوئی شیروانی بھی ساتھ نہیں تھی۔ شیروانی قدیم ریاست حیدرآباد میں شریف انسان کی وردی تھی جس سے اس کے معیار کا اندازہ ہوتا تھا۔ بعض پروفیسر صاحبان سے ایک ہی دو بار ملنے سے اندازہ ہوگیا کہ شیروانی نہ ہونے کی وجہ سے وہ صحیح طریقہ پر ملتفت نہیں ہوئے۔ اس وقت ہمارے دارالعلوم کے ایک پشاوری طالب علم مولوی محمد شریف حیدرآباد میں تھے۔ میں نے اس غرض کے لئے ان کی شیروانی مستعار لی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ نگاہیں بدل گئیں اور لوگ کسی قدر احترام سے ملنے لگے۔" کاروان زندگی صفحہ ۳۲۲

اب دوسرا واقعہ دیکھئے۔ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانہ میں اسلامی فوج کے مختلف نمائندے ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کے دربار میں گئے۔ ان میں سے ایک ربعی بن عامر بھی تھے۔ وہ رستم کے دربار میں پہنچے تو ان کے جسم پر نہایت معمولی کپڑے تھے۔ تاہم ان کے غیر معمولی کلام کو سن کر رستم مرعوب ہوگیا۔ اس وقت رستم اور اس کے درباریوں سے جو گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ یہ تھا :

قال هل رأيتم قطّ اعزّ وارجح من كلام هذا الرجل۔ فقالوا معاذ الله ان تميل الىٰ شئ من هذا وتدع دينك الىٰ هذا الكلب۔ اما ترىٰ الىٰ ثيابه فقال ويلكم لاتنظروا الى الثياب وانظروا الى الراى والكلام والسيرة۔ ان العرب يستخفون بالثياب والمأكل ويصونون الاحساب

(حیاۃ الصحابہ جلد اول صفحہ ۲۲۱)

رستم نے کہا کیا تم نے اس آدمی کے کلام سے زیادہ مضبوط اور اعلیٰ بات کبھی دیکھی ہے۔ درباریوں نے کہا، خدا کی پناہ کہ آپ اس کی کسی بات کی طرف مائل ہوں اور اپنے دین کو چھوڑ کر اس کتے کے ساتھ ہوجائیں۔ کیا آپ نے اس کے کپڑے کو نہیں دیکھا، رستم نے کہا، تمہارا برا ہو، کپڑے کی طرف نہ دیکھو۔ بلکہ رائے اور بات اور کردار کی طرف دیکھو۔ عرب لوگ کپڑے اور کھانے کو ناقابل لحاظ سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ حسب نسب کی حفاظت کرتے ہیں۔

گویا ہمارے مسلم دانشوروں میں وہ حقیقت شناسی بھی نہ تھی جو قدیم زمانہ میں ایران کے پارسی لیڈروں کو حاصل تھی۔

وقت نہیں

ایک شخص کو بمبئی پہنچ کر ایک عرب ملازمت کے لئے انٹرویو دینا تھا۔ اس نے ٹرین میں اپنا رزرویشن کرایا اور مقررہ وقت پر گھر سے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوا۔ دہلی کی پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے کسی لڑکے نے اس کے رکشا کے اوپر کنکر پھینکا۔ اس کا دوست یہ دیکھ کر بگڑ گیا۔ اس نے چاہا کہ رکشا سے اتر کر لڑکے کو پکڑے اور اس کو اس کی گستاخی کا سبق دے۔ آدمی نے اپنے دوست کو پکڑ کر روک لیا۔ اس نے کہا ——— "ہمارے پاس اس کا وقت کہاں ہے" اور رکشا کو آگے بڑھا دیا۔

آدمی کا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو فوراً اسٹیشن سے ٹرین پکڑنی ہے۔ اور پھر بمبئی پہنچ کر اہم انٹرویو دینا ہے۔ ایسے نازک لمحہ میں میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ میں سڑک کے لڑکوں سے الجھوں میں لڑکے کی شرارت پر صبر کروں گا تاکہ میرا بمبئی کا انٹرویو خراب نہ ہونے پائے۔

یہ سنجیدگی جو لوگوں کو دنیا کے بارہ میں ہوتی ہے وہی سنجیدگی مزید اضافہ کے ساتھ مومن کے اندر آخرت کے بارہ میں ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک صحابی کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال انطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حتی سبقوا المشرکین الی بدر وجاء المشرکون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقدمن احد منکم الی شئی حتی اکون انا دونہ فدنا المشرکون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوموا الی جنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض قال یقول عمیر بن الحمام الانصاری رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ جنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض قال نعم قال بخ بخ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یحملک علی قولک بخ بخ قال لا واللہ یا رسول اللہ الا رجاء ان اکون من اھلہا۔ قال فانک من اھلہا۔ فاخرج تمرات

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ مشرکین سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ پھر مشرکین آئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کی طرف نہ بڑھے جب تک کہ میں نہ کہوں۔ جب مشرکین قریب آگئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایسی جنت کی طرف اٹھو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیر انصاری نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ایسی جنت جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا واہ واہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا۔ انھوں نے کہا کہ اے خدا

من قَرَنِهِ فجعل ياكل منهن ثم قال لئن انا حَييتُ حتى آكل تمراتي هذه انها الحياة طويلة فرمى بما كان معه من التمر ثم قاتلهم حتى قتل (رواه مسلم)

کے رسول، صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے کہا کہ تم انھیں میں سے ہو۔ اب حضرت عمیر نے اپنی نیام سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان میں سے کھانے لگے۔ پھر انھوں نے کہا کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بہت لمبی زندگی ہوگی۔ انھوں نے اپنی بقیہ کھجوریں پھینک دیں اور لڑائی میں کود پڑے، یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے۔

جو شخص دنیا کے معاملہ میں سنجیدہ ہو اس کے پاس غیر متعلق چیزوں میں الجھنے کا وقت نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ ہو وہ ایسی چیزوں میں الجھنا کبھی پسند نہیں کرے گا جو اس کو آخرت کے نشانہ سے دور کر دے "دہلی" سے امرتسر جانے والا کلکتہ کے رخ پر سفر نہیں کرتا۔ اسی طرح آخرت کا مسافر کبھی ان سمتوں میں نہیں دوڑے گا جو اس کو آخرت کی منزل سے دور کر دینے والی ہو۔

الرسالہ انگریزی

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی اڈیشن پابندی سے ہر ماہ شائع ہو رہا ہے
فروری ۱۹۸۴ء کا شمارہ اس کا پہلا نمبر تھا۔
انگریزی الرسالہ کا زرِ تعاون اور ایجنسی کی شرائط وہی ہیں جو اردو الرسالہ کی ہیں۔

ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم فرمائیں:

C-29, Nizamuddin West,
New Delhi 110 013

سب سے زیادہ خطرناک

شیر کے ڈراؤنے چہرے کو دیکھ کر مشکل سے کوئی آدمی یقین کرے گا کہ اس پھاڑ کھانے والے درندہ سے بھی زیادہ خطرناک دشمن کوئی انسان کے لئے ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن شیر یا بھیڑیا نہیں۔ اس کے سب سے خطرناک دشمن وہ بیکٹیریا ہیں جو اتنے چھوٹے ہیں کہ خالی آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ یہ بیکٹیریا اتنی تیزی سے اپنی نسل بڑھاتے ہیں کہ موافق حالات میں صرف دس گھنٹوں کے اندر ایک کیڑا اپنی نسل کے دس ہزار جان دار پیدا کر لیتا ہے۔ شیر یا بھیڑیا کہیں کسی ایک آدمی کو پھاڑتے ہوں گے مگر بیکٹیریا کی زد میں ہر آدمی ہر وقت ہوتا ہے۔

بیکٹیریا کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ ہماری خوش قسمتی سے ان کی ۹۹ فی صد تعداد یا تو بے ضرر ہے یا ہمارے لئے مفید ہے۔ مگر ایک فی صد تعداد جو مضر ہے وہ بھی اتنی خطرناک ہے کہ آن کی آن میں آدمی کی جان لے سکتی ہے۔ میڈیکل سائنس کے مطابق تمام مہلک بیماریاں انھیں بیکٹیریا کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ بیکٹیریا انتہائی چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسے راستوں سے انسان کے اندر داخل ہو جاتے ہیں جن کا روکنا عام طور پر آدمی کے بس میں نہیں ہوتا۔

لوگ عام طور پر بڑے بڑے حادثات کو جانتے ہیں اور ان کو اپنی تباہی کا سبب سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے "چھوٹے چھوٹے دشمن" ہم کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں جتنا کہ بڑے بڑے دشمن۔ اور ہماری سب سے زیادہ خطرناک دشمن خود ہماری اپنی چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں ہیں جو ہم کو محسوس نہیں ہوتیں مگر وہ ہماری زندگی کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

مثلاً ہر شخص کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے روزانہ اوقات کا ایک حصہ بغیر استعمال کئے ہوئے گذار دیتا ہے۔ ہر شخص روزانہ غیر ضروری مدوں میں کچھ نہ کچھ رقم خرچ کرتا رہتا ہے یہ وقت اور یہ سرمایہ ایک دن کے لحاظ سے تو بہت تھوڑا نظر آتا ہے، چند گھنٹے یا چند روپیے۔ لیکن اگر پورے سال اور آدمی کی پوری عمر کو ملا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص اپنی تقریباً نصف عمر اور اپنی نصف کمائی کو بے نتیجہ چیزوں میں برباد کر رہا ہے۔ اس بربادی کو اگر پوری قوم پر پھیلایئے تو یہ نقصان اتنا زیادہ بڑھ جائے گا کہ اس کا شمار بھی ناممکن ہو۔

ایک سفر

۶-۷-۸ مارچ ۱۹۸۳ کو میرا قیام پونا میں تھا۔ اور اس کے بعد ۹-۱۰-۱۱ مارچ ۱۹۸۳ کو بمبئی میں۔ اس دوران میں دونوں مقام پر پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان خطابات کرنے کا موقع ملا۔ کثیر تعداد میں لوگوں سے ملاقات اور گفتگو ہوئی۔

پونا کی آبادی تقریباً ۱۶ لاکھ ہے، جس میں مسلمان، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک لاکھ ہیں۔ مگر مسلمانوں کا اپنا خیال یہ ہے کہ ان کی آبادی کسی طرح تین لاکھ سے کم نہیں۔ یہی معاملہ بمبئی کا ہے، اور یہی معاملہ دوسرے مقامات کا بھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ یہ کوئی واقعی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی آبادی سرکاری اعداد و شمار میں اصل سے کم دکھائی جاتی ہے، یا ایسا ہے کہ مسلمان اپنی آبادی کا خیالی اضافہ کرکے اپنے احساس حق تلفی کو تسکین دینا چاہتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں آپ جس شہر میں بھی جائیں آپ وہاں دینی اور اسلامی سرگرمیاں ہوتی ہوئی دیکھیں گے۔ ایک آدمی اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام سرگرمیاں کھاتے پیتے لوگوں میں سے ایک طبقہ کے درمیان ہیں۔ تقریباً ہر شہر میں کم از کم پچاس فیصد مسلمان ایسے بستے ہیں جو غریبی اور جہالت کا شکار ہیں۔ ان کو بقدر ضرورت بھی زندگی کا سامان میسر نہیں۔ مگر یہ پورا طبقہ ہر جگہ اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔ بہت کم اصلاحی یا اسلامی سرگرمیاں ملیں گی جو اس دوسرے طبقہ کے درمیان جاری ہوں۔

دوسرا مشاہدہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شہر موجودہ زمانہ میں دو شہر کا نام ہے۔ ایک قدیم اور دوسرا جدید۔ قدیم شہر میں تنگ سڑکیں اور گھنی آبادیاں ہیں۔ اس کے باشندے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو غریب اور جاہل ہیں۔ دوسرا جدید شہر۔ یہاں کشادہ سڑکیں، پارک اور کھلے مکانات ہیں۔ یہاں کے رہنے والے وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ اور خوش حال ہیں۔ میں نے تقریباً ہر جگہ یہ پایا کہ ہر قسم کا فساد ہمیشہ قدیم شہر میں ہوتا ہے۔ جدید شہر والے حصہ میں کبھی کوئی فساد نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ "فساد" کے مسئلہ کا سب سے زیادہ یقینی حل مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانا ہے، جب کہ یہی وہ میدان ہے جہاں ملت کے مجاہدین میں سے کوئی بھی سرگرم عمل نہیں۔

موجودہ سفر میں اور دوسرے سفروں میں مجھے تجربہ ہوا کہ اس وقت قوم کے سنجیدہ طبقہ میں سب سے زیادہ جس چیز کی طلب ہے وہ اتحاد ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ایسی باتیں کہی جائیں جو اتفاقی ہوں۔ اختلافی باتیں سرے سے ذکر نہ کی جائیں۔ مگر ہر آدمی صرف دوسروں کو متحد کرنا چاہتا ہے نہ کہ اپنے آپ کو۔

پونہ کے سفر کے بعد وہاں کا ایک خط مورخہ ۴ جنوری ۱۹۸۴ موصول ہوا۔ یہ خط یہاں نقل کیا جارہا ہے:

عالی جناب مولانا صاحب۔ آپ کو دوبارہ پونہ کا سفر کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ آپ کے پونہ آنے سے پہلے یہاں الرسالہ صرف ۲۰ کی تعداد میں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اب الرسالہ ۱۰۰ کی تعداد میں پونہ آرہا ہے۔ دوسری کتابوں کی مانگ بھی کافی ہے۔ چنانچہ اس دوران میں کئی بار میں زیادہ زیادہ کتابیں مکتبہ الرسالہ سے منگا چکا ہوں۔ نیز یہ کہ آپ کی آواز کی ٹیپ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ آجائیں تو میں آپ کی تقریروں کے کیسٹ تیار کرلوں گا اور لوگوں کو ایک جگہ جمع کرکے ان کو سنانے کا بندوبست کروں گا۔

پونہ کے مقامی اخبار الانصار میں "پیغمبر انقلاب" کے انعام کی خبر چھپی تھی۔ اسی کے ساتھ آپ کا مضمون "یہ اختلاف کیوں" بھی شائع کرایا تھا۔ اس کو الرسالہ سے نقل کرنے میں غلطی ہوسکتی تھی۔ اس لئے میں نے یہ کیا کہ اس کی ایک فوٹو کاپی نکلوائی اور وہی اخبار کے کاتب کو دے دیا۔

آپ کے جانے کے بعد پونہ میں ہفتہ وار اجتماع برابر ہورہا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ الرسالہ کو خوب پھیلاؤ۔ الرسالہ کی ایجنسی آخرت کی ایجنسی ہے اور آخرت کی ایجنسی ہر طرح سے بے ضرر اور فائدہ مند ہے۔ جب میرے دل میں یہ تقدس شامل ہوگیا تو اب مجھے کام کرنا آسان ہوگیا۔

ربیع الاول میں پونہ میں ہر سال بڑے پیمانہ پر سیرت النبی کا جلسہ ہوتا ہے اور مختلف تقاریب منائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک نشست میں جس میں غیر مسلم صاحبان بھی موجود تھے میں نے آپ کا ایک مضمون "ظہور اسلام" سے پڑھ کر سنایا۔ اس کے علاوہ ہم نے اسلام کے تعارف پر انگریزی میں ایک دو ورقہ خاص اہتمام سے چھپوایا اور اس کو تقسیم کیا۔ اس دو ورقہ کو ڈاک سے بھی خاص خاص لوگوں کو بھیجا گیا۔ مثلاً گورنر مہاراشٹر، وزیر اعلا مہاراشٹر۔ ضلع پونہ کے سات ممبران پارلیمنٹ ضلع پونہ کے سات ایم ایل سی۔ ضلع پونہ کے چودہ ایم ایل اے۔ پونہ کارپوریشن کے ۷۵ ممبران۔ پونہ کیمپ بورڈ کے ۸ ممبران۔ پونہ کے روزناموں کے اڈیٹر صاحبان۔ پونہ کے محکمہ تعلیمات کے افسران۔ پونہ کے محکمہ پولیس کے افسران۔ پونہ کے تعلیمی اداروں کے سربراہان۔ نیز ضلع پونہ کے مراٹھی دانشور اور اہل فکر حضرات کو مجموعی طور پر چار سو کی تعداد میں روانہ کئے گئے۔ اس کے علاوہ "ٹیچنگ آف اسلام" اور "محمدی آئیڈیل کیرکٹر" یہ دونوں انگریزی کتابیں بھی غیر مسلم حضرات کو تقسیم کی گئیں۔

عبدالصمد

پونہ کے سفر سے واپسی کے بعد پونہ کے بعض احباب نے وہاں کے ایک انگریزی اخبار کی کٹنگ بھیجی تھی۔ اس کا ذکر بھی پونہ کے سفر کی مناسبت سے یہاں کیا جاتا ہے۔

راجندر جگل، دلیپ سوتر، شانتارام جگتاپ اور منور ہارون شاہ، چاروں دوست تھے۔ انھوں نے اپنی صلاحیت کا استعمال یہ تلاش کیا کہ مجرمانہ کارروائیوں کے ذریعہ رات دن میں کروڑپتی بن جائیں۔

ان نوجوانوں نے دولت کی حرص میں دس آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ انھوں نے پہلا قتل ۱۵ر جنوری ۱۹۷۶ کو کیا اور دسواں قتل ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ کو۔ اس کے بعد چاروں گرفتار ہوئے ان پر مقدمہ چلا جو سپریم کورٹ تک گیا۔ بالآخر ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۳ کو انھیں یراودا سنٹرل جیل (پونہ) میں پھانسی دے دی گئی۔

اس واقعہ پر پونہ کے انگریزی اخبار مہاراشٹر ہرالڈ (۲۵ اکتوبر ۱۹۸۳) نے مفصل بانصویر رپورٹ شائع کی ہے۔ اس میں ڈبلیو۔ این۔ باپٹ (اڈیشنل سیشن جج) کا فیصلہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ موصوف کے سامنے مجرمین کی طرف سے جو وکالت کی گئی، اس میں کہا گیا تھا کہ یہ مجرمین چوں کہ کم عمر اور نوجوان ہیں، اس لئے ان کو موت سے کم درجہ کی سزا دی جائے۔ جسٹس موصوف نے اس کو رد کرتے ہوئے اپنے جواب میں لکھا:

> In my opinion. there is really nothing redeeming about the youth of the accused who never saw any meadows but only graves, never saw any stars but saw only mud and learnt very little about life but which about death and murders.

میرے نزدیک، ان مجرمین کی نوعمری اس قابل نہیں کہ انھیں چھوڑ دیا جائے۔ ان نوجوانوں نے دنیا میں کبھی چراگاہ نہیں دیکھی بلکہ صرف قبرستان دیکھی۔ انھوں نے کبھی ستارے نہیں دیکھے بلکہ صرف کیچڑ دیکھی۔ انھوں نے زندگی سے بہت کم سیکھا، انھوں نے جو سیکھا صرف موت اور قتل کے بارہ میں سیکھا۔

رحم دلی بہت اچھی چیز ہے لیکن جرائم فطرت لوگوں کے ساتھ رحم دلی کی جائے تو وہ ظلم بن جاتی ہے۔ اجتماعی زندگی کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ افراد کے اندر ایک دوسرے کے لئے احترام، حسن ظن، فیاضی، اعتراف اور حقوق پہچاننے کا مادہ ہو۔ جو لوگ جارحیت کی حد تک منفی ذہنیت کا شکار ہوں وہ اسی قابل ہیں کہ ان کے اور سماج کے درمیان مستقل جدائی کر دی جائے۔ انھیں ان کے مقام عمل سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے۔

ایک اور خط ۲۹ مارچ ۱۹۸۴ کا لکھا ہوا موصول ہوا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

مولانا محترم، السلام علیکم! حیدر آباد کے سفر کے بعد سے دہلی آپ کو تین مرتبہ فون کیا لیکن آپ کے سفر میں ہونے کی وجہ سے بات نہ ہوسکی۔ قابل ذکر یہ ہے کہ آپ کا ایک مقالہ جو دسمبر ۸۳ء بعنوان "منزل کی طرف" چھپا تھا۔ اس کو آپ نے آریہ سماج الہ آباد کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا جو سرودھرم سمیلن کے عنوان سے ۲۲ مئی ۱۹۶۰ کو ہوا تھا۔

یہ مقالہ یہاں پونہ کے کچھ احباب کو بہت پسند آیا۔ جس کا ذکر میں نے آپ سے حیدر آباد کی ملاقات کے وقت بھی کیا تھا۔ اس مقالہ میں دیگر مذاہب کی تعلیمات کے ساتھ اسلام کا تعارف بھی ہے۔ اور عام انسانوں کے لئے دعوت بھی۔ اس بنا پر ہم نے مہاراشٹر کی خاص زبان مراٹھی میں اس کا ترجمہ کیا چھپائی کا انتظام بھی معیاری کرنے کا طے ہوا ہے۔ جو انشاء اللہ آپ کے مزاج کے مطابق ہوگا۔ مقالہ کا ترجمہ ۱۶ سے ۱۸ صفحہ الرسالہ کی سائز جیسا ہوگا۔ پانچ ہزار کاپی چھاپنا طے کیا گیا ہے۔ جس کا خرچ تقریباً تین ہزار روپیہ آئے گا جو کچھ احباب مل کر اٹھا رہے ہیں۔ اس کی تقسیم اس طرح ہوگی ——— اخبار کے ایڈیٹر حضرات، رائٹر، دانشور، تمام مراٹھی لائبریریاں وغیرہ۔ یہ کام پورے مہاراشٹر میں ہوگا۔ یہ تقسیم ہم پوسٹ کے ذریعہ کرنے والے ہیں۔

مقالہ کا ترجمہ ہوچکا ہے لیکن یہاں کے زبان داں حضرات کے سامنے پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ تاکہ ترجمہ کا معیار معلوم ہوسکے۔ آپ کی گراں قدر رائے کا انتظار رہے گا۔"

اس طرح کے خطوط مختلف مقامات سے ہم کو موصول ہو رہے ہیں جن میں یہ خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ وہ الرسالہ کے کسی مضمون کا یا یہاں سے چھپے ہوئے کسی کتابچہ کا ترجمہ اپنے علاقہ کی زبان میں کرکے اس کو مقامی طور پر مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارا خیال ہے کہ مفت تقسیم کرنا زیادہ مفید نہیں۔ زیادہ مفید صورت یہ ہے کہ ملک کے جس خطہ میں کوئی علیحدہ علاقائی زبان رائج ہے، وہاں حسب استطاعت ایک دار الاشاعت قائم کیا جائے اور علاقہ کی زبان میں کتابیں چھاپ کر کم قیمت میں فروخت کیا جائے۔

اسلامی مرکز کی دعوت کو پھیلانے کا ایک اہم ذریعہ بک اسٹال ہے۔ یعنی مختلف اجتماعات کے موقع پر رسالہ اور کتاب کا اسٹال رکھنا۔ اس کے لئے بھی علاقائی زبانوں میں لٹریچر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ بک اسٹال ایک "پروگرام" ہے اور اسی کے ساتھ دعوت کا ایک اہم ذریعہ بھی۔

اسلامی دعوت اور اتحاد

تمہید

مسلمانوں کا اتحاد مسلمانوں کی سب سے بڑی قوت ہے۔ اور اس اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ دعوت الی اللہ ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دعوت دین کے کام کے لیے چن لیا ہے۔ پیغمبر نے جو دین ان تک پہنچایا ہے اسی کو انھیں تمام قوموں تک پہنچانا ہے۔ اس ضمن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ یعنی ایک خدا کے گرد سب کے سب متحد ہو جاؤ (لیکون الرسول شہیداً علیکم وتکونوا شہداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ، الحج ۷۸)

دعوت کے حکم کے ذیل میں اتحاد کی تاکید سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت اور اتحاد میں بہت گہرا باہمی تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت سے باہمی اتحاد پیدا ہوتا ہے اور باہمی اتحاد سے مسلمان اس قابل ہوتے ہیں کہ دعوت کے کام کو موثر طور پر انجام دے سکیں۔

حدیث سے بھی دعوت اور اتحاد کا باہمی تعلق ثابت ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو تم میری طرف سے لوگوں تک پہنچا دو اور آپس میں اختلاف نہ کرو جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا (اخرج الطبرانی عن المسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ فقال ان اللہ بعثنی رحمۃ للناس کافۃ فادوا عنی ولا تختلفوا کما اختلف الحواریون علی عیسی بن مریم)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات فرمائی تو صحابہ نے کہا اے خدا کے رسول، ہم آپ سے کبھی کسی معاملہ میں اختلاف نہ کریں گے آپ ہم کو حکم دیجئے اور ہم کو بھیجئے (یا رسول اللہ، انا لانختلف علیک فی شئ ابداً فمرنا وابعثنا، البدایہ والنہایہ، جلد ۴) صحابہ کو معرفت دین کا جو مرتبہ حاصل تھا اس نے انھیں بتا دیا تھا کہ دعوت الی اللہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس معاملہ میں انھیں کس قسم کا کردار پیش کرنا چاہیے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت تک باہمی اتحاد واتفاق رہا جب تک وہ دعوت الی اللہ کے کام میں مشغول رہے۔ جیسے ہی وہ اس کام سے ہٹے ان کے درمیان ایسا اختلاف اور ٹکراؤ شروع ہوا جو پھر کبھی ختم نہ ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے دعوت الی اللہ کو بھی کھو دیا جو ان کا فرض منصبی تھا۔

اور باہمی اتحاد کو بھی جو اس دنیا میں کسی گروہ کی سب سے بڑی طاقت ہے (الانفال ۴۶)

قرن اوّل کی مثال

مشہور قول کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو ہوئی۔ اس سے صرف دو ہفتہ پہلے کا واقعہ ہے کہ عین مرض الموت کی حالت میں آپ نے خصوصی اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کی ایک فوج تیار کی۔ یہ رومیوں (بازنطینیوں) سے مقابلہ کے لئے تھی۔ اس فوج میں آپ نے تمام بڑے بڑے صحابہ کو شامل کیا۔ ان کے اوپر اُسامہ بن زید بن حارثہ کو سردار بنایا اور ان کو شام کی طرف روانہ کیا جہاں اس سے پہلے موتہ کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اسامہ اُسامہ ایک غلام کے لڑکے تھے۔ تاہم وہ اس خاص مہم کی سرداری کے لئے موزوں ترین تھے۔ کیوں کہ اس سے پہلے غزوہ مُوتہ (۸ھ) میں رومیوں نے ان کے والد زید بن حارثہ کو قتل کیا تھا اور اس بنا پر بیٹے کے دل میں اپنے باپ کے قاتلوں سے لڑنے کے لئے آگ لگی ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اسامہ بن زید اس مہم پر روانہ ہوگئے۔ وہ مدینہ سے ایک فرسخ دور جرف کے مقام پر ٹھہرے۔ یہاں لوگ آ آ کر ان کے ساتھ ملنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جرف وہی مقام ہے جہاں مدینہ کی موجودہ جامعہ اسلامیہ قائم ہے۔

اسامہ بن زید اور ان کا لشکر ابھی جرف ہی میں تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی۔ اس کو سن کر ان لوگوں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور آپ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے مدینہ واپس آ گئے۔

اب صحابہ کے اتفاق رائے سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کی خلافت کے بعد مسلمانوں کی عام رائے یہ تھی کہ اسامہ کے لشکر کو مدینہ میں روک لیا جائے۔ پیغمبر اسلام کی وفات اور عرب کے اکثر علاقوں میں منافقین کے بڑھتے ہوئے فتنے کی وجہ سے اس وقت ہر طرف غیر یقینی حالت چھائی ہوئی تھی۔ لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ پہلے مدینہ کی نئی اسلامی ریاست کو مضبوط بنایا جائے۔ اس کے بعد باہر کی کسی مہم پر نکلا جائے۔

مگر خلیفہ اول نے عمومی مخالفت کے باوجود اسامہ کے لشکر کی روانگی میں معمولی تاخیر بھی گوارا نہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اس گرہ کو نہیں کھولوں گا جس کو اللہ کے رسول نے باندھا۔ خواہ چڑیاں ہم کو اچک لیں اور اطراف کے درندے ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور خواہ کتے امہات المومنین کے پیروں کو گھسیٹیں۔ میں ہر حال میں اسامہ کے لشکر کو روانہ کروں گا (واللہ لا احلّ عقدۃ عقدھا

رسول اللہ۔ ولوان الطیر تخطفتنا والسباع من حول المدینۃ۔ ولوان الکلاب جرت بارجل امہات المومنین لاجھزن جیش اسامۃ)

خلیفہ اوّل نے اس معاملہ کی انتہائی اہمیت کو لوگوں پر واضح کرنے کے لئے مزید یہ کیا کہ جب لشکر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا تو آپ مدینہ سے جرف تک اس طرح گئے کہ نوجوان اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفہ اول ان کو نصیحت اور ہدایت دیتے ہوئے ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اسامہ کے اصرار کے باوجود وہ سواری پر نہیں بیٹھے (فشیع البعثۃ وھو ماش علی قدمیہ فقال اسامۃ یا خلیفۃ رسول اللہ، واللہ لترکبن اولا تنزلن۔ فقال واللہ لا تنزل و واللہ لا ارکب۔ وما علیّ ان اغبر قدمیّ فی سبیل اللہ ساعۃ)

پیغمبر اسلام اور خلیفہ اول کا یہ اقدام نہایت اہم مصلحت پر مبنی تھا۔ یہ مصلحت تھی ـــــ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے لئے عرب کے باہر میدان عمل فراہم کرنا۔ "جہاد" حقیقۃً خارجی دائرہ میں اسلام کی توسیع و اشاعت کے لئے جد وجہد کا عنوان ہے۔ لیکن اگر خارجی نشانہ مسلمانوں سے اوجھل ہو جائے تو وہ داخلی لڑائی میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے غلط طور اس کو جہاد کا نام دے دیتے ہیں۔

خارجی نشانہ

پیغمبر کی تحریک کے نتیجہ میں عرب کے لوگ جب اسلام لائے تو ان کے اندر زبردست اسلامی جوش پیدا ہو گیا۔ انھوں نے چاہا کہ جس دین کو انھوں نے سب سے بڑی سچائی پاکر اختیار کیا ہے اس دین کو تمام لوگوں کا دین بنا دیں۔ اس جوش کو اپنے اظہار کے لئے کوئی وسیع میدان درکار تھا۔ اسامہ کے لشکر کی بروقت روانگی کا مقصد مسلمانوں کے لئے یہی میدان کار فراہم کرنا تھا۔ پیغمبر اسلام نے رومیوں کی جارحیت کو فوراً استعمال کیا اور اپنے آخر وقت میں ان کے ساتھ مڈبھیڑ کر کے یہ کیا کہ مسلمانوں کے جوش کو غیر مسلم اقوام میں اسلامی دعوت کی طرف موڑ دیا۔ اس طرح یہ ہوا کہ جو طاقت داخلی لڑائیوں میں ضائع ہوتی وہ خارجی عمل میں استعمال ہونے لگی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو عرب کے مسلمان ایک دوسرے کی اصلاح کے نام پر آپس میں لڑنا شروع کر دیتے۔ جیسا کہ آج کل ہم تمام مسلم ملکوں میں دیکھ رہے ہیں۔

پیغمبر اسلام اگر عین وقت پر مسلمانوں کے جذبۂ عمل کو خارج کی طرف نہ موڑتے تو اس کے بعد ان کے درمیان جو داخلی لڑائیاں شروع ہوتیں ان کا انجام صرف یہ نکلتا کہ اسلام کی تاریخ جہاں بننا شروع ہوئی تھی وہیں وہ بننے سے پہلے ختم ہو جاتی۔ تاریخ آج جن شاندار اسلامی کرداروں کے تذکرے سے بھری ہوئی ہے وہ ان کے مرثیہ سے زیادہ اور کچھ نہ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ مقصد میں مشغول ہونا اعلیٰ کردار

کی سب سے بڑی ضمانت ہے، اور دعوت الی اللہ کے محاذ سے ہٹنے کے بعد مسلمان ہی اعلیٰ ترین چیز کھو دیتے ہیں۔

خلیفہ اول کے زمانہ میں اس عمل کا رخ پہلے رومیوں کی طرف پھیرا گیا تھا۔ جلد ہی بعد فارسیوں (ساسانیوں) کی جارحیت کی بنا پر فارس سے بھی مسلمانوں کا مقابلہ شروع ہوگیا۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے اسلامی عمل کا اتنا وسیع میدان ہاتھ آگیا جو ایشیا سے لے کر افریقہ اور یورپ تک چلا گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں یہی دونوں سلطنتیں روم اور فارس) دنیا کے اکثر آباد حصہ پر چھائی ہوئی تھیں۔

رومیوں اور ایرانیوں کی طرف مسلمانوں کا یہ اقدام حقیقۃً کسی سیاسی مقصد یا ملکی توسیع کے لئے نہ تھا، بلکہ تمام تر اسلامی دعوت کے لئے تھا۔ یہ مسلمان اس ربانی جذبہ سے سرشار ہوکر اپنی سرحدوں سے نکلے تھے کہ اللہ کے بندوں کو انسان کی عبادت سے نکال کر خدا کی عبادت کے دائرہ میں لے آئیں (لنخرج عباد اللہ من عبادۃ العباد الیٰ عبادۃ اللہ) واقعات ثابت کرتے ہیں کہ روم اور فارس مسلمانوں کے لئے اصلاً دعوت حق کا موضوع تھے۔ مگر ان قوموں کی طرف سے جارحیت کی بنا پر ان کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی۔ ورنہ جن قوموں نے جنگ نہیں کی ان کے درمیان اسلام کسی لڑائی بھڑائی کے بغیر پھیلتا رہا۔ مثلاً حبش، مالدیپ، ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ

قدیم غیر مسلم اقوام تک اسلام کی توسیع و اشاعت کا عمل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوا۔ تقریباً ۳۰ سال تک وہ پوری کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ اس پوری مدت میں مسلمان متحد اور متفق ہوکر دوسری قوموں میں اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ اسی کا ایک نتیجہ وہ عظیم مسلم جغرافیہ ہے جس کو آج عرب دنیا کہا جاتا ہے۔

عام الجماعت (اتحاد کا سال)

خلیفہ ثالث عثمان بن عفان رضے اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں یہ تسلسل ٹوٹتا ہے۔ مسلمانوں نے "داخلی جہاد" کے جوش میں اپنے عمل کا رخ باہر سے اندر کی طرف موڑ دیا۔ اصلاح سیاست کے نام پر وہ خود اپنے حکمرانوں سے لڑنے لگے۔ یہ باہمی ٹکراؤ یہاں تک بڑھا کہ مسلمانوں میں سے ایک طبقہ نے اپنے خلیفہ کو قتل کر ڈالا۔

تاہم خلیفہ کے قتل پر بھی مسئلہ ختم نہ ہوا۔ اب خون عثمان کے قصاص کے نام پر مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے۔ اس طرح آپس میں ایسی لڑائیاں شروع ہوئیں جو مسلسل دس سال تک نہایت خوں ریز شکل میں جاری رہیں۔ اسلام کی عمومی دعوت کے محاذ سے ہٹنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک طرف اسلام کی توسیع و اشاعت کا کام بالکل رک گیا اور دوسری طرف مسلمانوں کی طاقت خود مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے لگی۔

جو مسلمان اسلام کے مقصد کے لئے باہم جڑے ہوئے تھے وہ خود اسلام کے نام پر مختلف اور منتشر ہو کر رہ گئے۔

تقریباً دس سال کے اختلاف اور انتشار کے بعد مسلمان دوبارہ ۴۱ھ میں متحد ہوئے۔ اس بنا پر اس سال کو اسلامی تاریخ میں عام الجماعت (اتحاد کا سال) کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں دوبارہ اتحاد کا یہ واقعہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے پیش آیا جن کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ اللہ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا (ان ابنی ھٰذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین، رواہ البخاری)

حضرت حسن اپنے والد کے بعد اسلام کے پانچویں خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ مگر انھوں نے دیکھا کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے باہمی جنگ کا سبب بن گیا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے یک طرفہ طور پر اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مسلمان دو متحارب گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک کے سردار حضرت حسن تھے اور دوسرے کے سردار حضرت معاویہ۔ حضرت حسن نے جب خلافت کے حق سے دست بردار ہو کر داخلی محاذ کو بند کیا تو اس کے بعد بالکل فطری طور پر یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کا رخ دوبارہ اسلام کی توسیع و اشاعت کی طرف مڑ گیا۔ اسلام کا بڑھتا ہوا قافلہ جو دس سال سے رکا ہوا تھا، وہ دوبارہ خدا کے دین کی عمومی اشاعت کے میدان میں سرگرم ہو گیا۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ۲۰ سالوں (۶۰ - ۴۰ھ) میں اسلام کی اشاعت اتنے بڑے پیمانے پر ہوئی جس کی مثال بعد کی صدیوں میں نہیں ملتی۔ ان کے زمانہ میں اسلام کا قافلہ ایک طرف سمرقند، دوسری طرف افغانستان اور تیسری طرف تیونس تک پہنچ گیا۔ چوتھی طرف مسلمان آبنائے باسفورس کو پار کر کے جزیرہ روڈس پر قابض ہو گئے جو گویا قسطنطنیہ میں داخلہ کا پہلا زینہ تھا۔ اس طرح ان کے عہد خلافت میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ہر طرف اسلام کی توسیع ہوئی۔ اسلام کا قافلہ خشکی سے گذر کر سمندروں میں سفر کرنے لگا۔

ایک تاریخی سبق

معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کچھ لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاویہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے اندر ملوکیت کی بنیاد رکھی۔ مگر اس سے قطع نظر، معاویہ رضی اللہ عنہ کے ۲۰ سالہ خلافت کی تاریخ ایک بہت بڑا سبق دیتی ہے۔ وہ سبق یہ ہے مسلمانوں کو اگر کسی طرح باہمی لڑائی سے ہٹایا جا سکے، خواہ یہ سیاسی ادارہ میں ملوکیت کو برداشت

کرنے کی قیمت پر کیوں نہ ہو، تو اسلام کے حق میں اس کا نتیجہ نہایت مفید شکل میں نکلتا ہے۔ باہمی لڑائی کی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ افراد کا جوش اسلامی آپس کی تخریب پر صرف ہونے لگتا ہے۔ لیکن اگر مسلمانوں کو باہمی لڑائی کے محاذ سے ہٹا دیا جائے تو ان کا جوش عمل اسلام کی توسیع و اشاعت کے میدان میں اپنا مکاس ڈھونڈ لے گا۔

مسلمانوں کا دو گروہ بن کر آپس میں لڑنا سراسر حرام ہے۔ تاہم جب مسلمانوں کو باہمی لڑائی سے بچایا جاتا ہے تو صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک فعل حرام کے ارتکاب سے بچ جاتے ہیں۔ بلکہ اس کا ایک مثبت فائدہ بھی اپنے آپ حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا جوش اسلامی اس کے بعد رکا نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے اظہار کے لئے دوسرا میدان ـــــ اسلام کی توسیع و اشاعت کا میدان ـــــ تلاش کر لیتا ہے۔ اس طرح یہ ہوتا ہے کہ جو قوت باہمی تخریب میں ضائع ہوتی وہ اسلام کی ترقی اور استحکام میں استعمال ہونے لگتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ مدعا بھی اسی سے اپنے آپ حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ یعنی مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں اعلیٰ اسلامی صفات کا پیدا ہونا۔

مسلمانوں کا جوش جہاد اگر اسی طرح خارج کی طرف عمل کرتا رہتا جس طرح وہ ابتدائی زمانہ میں عمل کر رہا تھا تو آج دنیا کی تاریخ دوسری ہوتی جس طرح عرب ملکوں کی تاریخ ہمیشہ کے لئے دوسری ہو چکی ہے۔

دعوت کے ذریعہ اتحاد

دعوت الی اللہ یا تبلیغ اسلام ہی امت مسلمہ کا منصبی مشن ہے۔ اس مشن سے مراد اصلاً یہ ہے کہ خدا کے دین کو غیر مسلم اقوام تک پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو جو مستقل مشن دیا ہے وہ یہی مشن ہے جس کا دوسرا نام شہادت علی الناس ہے (الحج ۷۸) ختم نبوت کے بعد مسلمان مقام نبوت پر ہیں۔ اب مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کا وہ کام انجام دینا ہے جس کے لئے اس سے پہلے رسول آیا کرتے تھے۔

یہ عمل جو امت مسلمہ کا اصل مشن ہے، اسی کی ادائیگی سے خدا کی نصرت ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسی سے امت کے اندر وہ اہم ترین چیز پیدا ہوتی ہے جس کا نام اتحاد اور اتفاق ہے۔

دعوت (غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت) ایک ایسا کام ہے جو آدمی کے لئے خارج میں عمل کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اپنے عملی حوصلہ کی تکمیل کے لئے وہ اندر کے بجائے باہر کا میدان کھولتا ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے جذبہ جہاد یا جوش اسلامی کے استعمال کے لئے اپنی صفوں سے باہر کی دنیا میں نشانہ مل جاتا ہے۔ لوگ داخلی مقابلہ آرائی سے ہٹ کر خارج میں اسلام کی توسیع و اشاعت میں لگ جاتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اسلام کی تاریخ اس کا زبردست ثبوت فراہم کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۲۰ سال تک مسلمان خارجی میدان میں اسلام کی توسیع و اشاعت میں مصروف تھے تو ان کی اندرونی صفوں میں مکمل اتحاد قائم رہا۔ حضرت عثمان کے آخری زمانہ میں "داخلی جہاد" کا آغاز ہوا تو اس قدر باہمی لڑائیاں پیش آئیں کہ دس سال تک کے لئے اسلام کی توسیع کا عمل رُک گیا۔ یہ عمل دوبارہ اس وقت شروع ہوا جب حسن بن علی رضے اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے نتیجہ میں داخلی مقابلہ آرائی ختم ہوئی۔ اب دوبارہ ۲۰ سال تک مسلسل اسلام کی توسیع ہوتی رہی۔ امیر معاویہ کی وفات (۶۰ھ) کے بعد بنوامیہ اور بنوہاشم میں "اصلاح سیاست" کے عنوان پر ٹکراؤ شروع ہوا تو دوبارہ اسلام کی توسیع کا کام رک گیا جو پھر کبھی پہلے کی طرح جاری نہ ہوسکا۔ اسلام کی توسیع اور اس کی اشاعت عام کو چھوڑنے کی قیمت مسلمانوں کو یہ دینی پڑ رہی ہے کہ پچھلے ہزار سال سے ان کی طاقتیں آپس کے ٹکراؤ اور اختلاف میں ضائع ہو رہی ہیں، وہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ یہ داخلی ٹکراؤ اگرچہ بظاہر اسلام کے نام پر ہو رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی دنیا میں اس سے زیادہ غیر اسلامی کام اور کوئی نہیں۔

۲۔ دعوت الی اللہ اصلاً اس اسلامی کام کا عنوان ہے جو غیر مسلموں تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے انجام دیا جاتا ہے (مسلمانوں کے درمیان کام کا اصطلاحی نام اصلاح ہے، الحجرات ۱۰) جب آپ غیر مسلم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کر رہے ہوں تو ایسا نہیں ہوگا کہ آپ اس کے سامنے آیین بالسر یا آیین بالجہر کے مسائل بیان کریں۔ یا ان دوسرے فروعی مسائل کو چھیڑیں جن کے بارہ میں مسلم فرقوں کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ہر مسلمان یہ کرے گا کہ وہ مخاطب کے سامنے توحید، رسالت، آخرت اور مساوات انسانی جیسی بنیادی تعلیمات پیش کرے گا۔ گویا اسلام کی عمومی دعوت کا کام ایک ایسا کام ہے جو بالکل فطری طور پر بنیادی تعلیمات دین کو بحث و گفتگو کا موضوع بنا دیتا ہے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ سب کی سب متفق علیہ ہیں۔ اس کے برعکس دین کے فروعی (فقہی) احکام میں کافی اختلافات ہیں۔ اس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ جب دعوتی اسلام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا ہے تو لازمی طور پر اسلام کے بنیادی پہلو، بالفاظ دیگر متفق علیہ پہلو زیادہ سے زیادہ زیر بحث آتے ہیں۔ اور اس کے فروعی، دوسرے لفظوں میں اختلافی پہلو پس پردہ چلے جاتے ہیں۔

اس طرح قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ملت جب دعوتی عمل میں مصروف ہو تو اس کے

اندر اتفاق واتحاد کے اسباب پرورش پاتے ہیں۔ اسلام کے اساسی اور اتفاقی امور لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ اسلام کے فروعی مسائل کو لے کر اٹھئے تو مسلمانوں کے اندر اختلافات جنم لیں گے۔ اس کے برعکس اسلام کے بنیادی مسائل کو لے کر اٹھئے تو لوگوں کے ذہن زیادہ سے زیادہ متفق علیہ امور پر کام کریں گے۔ ملت کے اندر اختلاف کی جڑ کٹے گی اور ہر طرف اتحاد کی فضا وجود میں آئے گی۔ فروعی مسائل اختلاف کا ماحول پیدا کرتے ہیں اور بنیادی مسائل اتفاق کا ماحول۔

انسانوں کے درمیان ہمیشہ اختلافات موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ اتحاد جب کبھی وجود میں آتا ہے تو وہ اس طرح وجود میں نہیں آتا کہ لوگوں میں سرے سے کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود متحد ہونے کا نام اتحاد ہے نہ کہ اختلاف کے بغیر متحد ہونے کا۔

"اختلاف کے باوجود متحد ہونا" بظاہر ایک لفظ ہے۔ مگر یہ سب سے بڑی قربانی ہے جو موجودہ دنیا میں کوئی آدمی پیش کرتا ہے۔ اس قربانی کے لئے وہ فیاضی درکار ہے جب کہ آدمی دوسرے کے فائدہ کی خاطر اپنے نقصان کو برداشت کرلے۔ اس کے لئے وہ بلند ہمتی درکار ہے جب کہ ذاتی شکایت کے باوجود وہ دوسرے کے فضل وکمال کا اعتراف کرسکے۔ اس کے لئے وہ بے نفسی درکار ہے جب کہ آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو چھوٹا ہوتا ہوا دیکھے، پھر بھی وہ منفی نفسیات کا شکار نہ ہو۔ اس کے لئے وہ اعلیٰ ظرفی درکار ہے جب کہ آدمی اپنی رائے کو بطور خود اہم سمجھتے ہوئے دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اس کو واپس لے لے۔ اس کے لئے وہ حوصلہ درکار ہے جب کہ آدمی دوسرے کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر خود پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے راضی ہوجائے۔

اجتماعی اتحاد فرد کی سب سے بڑی قربانی ہے۔ آدمی کسی چیز کو اس وقت چھوڑتا ہے جب کہ اس کو اس سے بڑی کوئی چیز مل جائے۔ دعوت الی اللہ کا مشن یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ دعوت وشہادت گویا موجودہ دنیا میں خدا کی نمائندگی ہے۔ آخرت میں سب سے بڑا انعام داعیان حق کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا کوئی کام اس دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت میں مصروف ہونے والے لوگ اس عظیم قربانی کے لئے تیار ہوجاتے ہیں جو کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔

دعوت الی اللہ کا مشن کسی انسان کے لئے سب سے بڑی چیز ہے۔ اس کے مقابلہ میں تمام چیزیں چھوٹی ہیں۔ ملت کے موجودہ اختلافات اسی لئے ہیں کہ ملت کے افراد کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ اگر ان کے سامنے بڑا مقصد آجائے تو وہ خود بخود چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چھوڑنے پر راضی ہوجائیں گے۔ اور بلاشبہ بڑے مقصد کی خاطر چھوٹی چیزوں کو چھوڑنے کے نتیجہ ہی کا دوسرا نام اتحاد ہے۔

دور جدید میں اسلامی دعوت

موجودہ زمانہ میں ایک عجیب رجحان یہ پیدا ہوا ہے کہ مسلمان اپنی قومی جد وجہد کے لئے جو کچھ کر رہے ہیں ان سب کو آجکل "اسلامی دعوت" کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اس لفظ کا بالکل غلط استعمال ہے۔ دعوت (دعوت الی اللہ) حقیقۃً غیر مسلم اقوام تک خدا کے سچے دین کا پیغام پہنچانے کا عنوان ہے۔ یہ پیغمبر کی وراثت ہے جو ختم نبوت کے بعد مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے۔ اس لفظ کو اپنی قومی جد وجہد کے لئے استعمال کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، کجا کہ اس کی وجہ سے خدا کی موعود نصرتیں ہمارے اوپر نازل ہوں۔

امت مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں دعوت الی اللہ کے کام سے وابستہ کر دی ہیں۔ ایک طرف قرآن کے مطابق دعوت الی اللہ میں عصمت من الناس کا راز چھپا ہوا ہے (المائدہ ۶۷) دوسری طرف یہی وہ کام ہے جس کی ادائگی کے نتیجہ میں اہل ایمان آخرت میں خدا کی گواہی کے بلند مقام پر کھڑے کئے جائیں گے جس کو قرآن میں اصحاب اعراف (الاعراف ۴۶) کہا گیا ہے۔ یہ آخرت کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو داعیان حق کو دیا جائے گا۔

تاہم دعوت الی اللہ کا کام کوئی سادہ یا آسان کام نہیں۔ یہ رسول اور اصحاب رسول کی تاریخ کو ازسرنو دہرانا ہے۔ یہ خدا کے بندوں کے سامنے خدا کا نمائندہ بننا ہے۔ یہ دنیا میں خدا کی حمد اور کبریائی کا نغمہ چھیڑنا ہے۔ یہ غیبی حقیقت کو لوگوں کے لئے مشہود حقیقت بنانا ہے۔ جو کچھ اس سے پہلے پیغمبرانہ سطح پر ہوتا رہا ہے اس کو غیر پیغمبرانہ سطح پر انجام دینا ہے۔ دعوت کی اصل نوعیت آدمی کے سامنے نہ ہو تو وہ دعوت کے نام پر ایک ایسا کام کرے گا جس کا دعوت سے کوئی تعلق نہیں۔

عالمی فضا کی تبدیلی

اس سلسلہ میں پہلی بات جس کو جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ وہ کون سے حالات ہیں جن کے درمیان ہم کو دعوت حق کا کام انجام دینا ہے۔ مختصر لفظوں میں اس کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف کے لئے دعوت الی اللہ کا مطلب دور شرک کو ختم کرنا تھا۔ اب ہمارے لئے دعوت الی اللہ کا مطلب دور الحاد کو ختم کرنا ہے۔ ہمارے اسلاف دور شرک کو ختم کر کے دور توحید لے آئے۔ اس کے بعد دنیا میں ایک نئی تاریخ وجود میں آئی۔ یہ تاریخ ہزار سال تک کامیابی کے ساتھ چلتی رہی۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں مغربی سائنس کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد دنیا کی ایک نئی تاریخ بننا شروع ہوئی۔ بیسویں صدی میں آکر یہ تاریخ اپنے کمال پر پہنچ گئی ہے۔ اب دوبارہ یہ حال ہو گیا ہے کہ ظہور

اسلام سے پہلے جس طرح فکر و عمل کے تمام شعبوں پر شرک کا غلبہ تھا، اسی طرح اب فکر و عمل کے تمام شعبوں پر الحاد کا غلبہ ہو چکا ہے۔ حتی کہ آج مذہب بھی علمی طور پر الحاد کا ضمیمہ بن چکا ہے۔ اس سے الگ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔

یہاں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے جو موجودہ زمانہ میں مذہب کی صورت کو بہت اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ جرمن مفکر ای۔ ایف شوماخر نے اپنا ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

> On a visit to Leningrad some years ago (August 1968) I consulted a map to find out where I was, but I could not make it out. I could see several enormous churches, yet there was no trace of them on my map. When finally an interpreter came to help me, he said: "We don't show churches on our maps."
>
> E.F. Schumacher,
> *A Guide for the Perplexed*, London, 1981, p. 9

اگست ۱۹۶۸ میں میں روس کے شہر لینن گراڈ گیا۔ وہاں ایک دن میں ایک نقشہ دیکھ رہا تھا تاکہ میں جانوں کہ میں کہاں ہوں۔ مگر میں اس کو جان نہ سکا۔ میری نظروں کے سامنے کئی بڑے بڑے چرچ تھے۔ مگر میرے نقشہ میں ان کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ بالآخر ایک ترجمان نے میری مدد کی۔ اس نے کہا: "ہم اپنے نقشوں میں چرچ کو نہیں دکھاتے"۔

یہ جزئی واقعہ اس پوری صورت حال کی تصویر ہے جو موجودہ زمانہ میں پیش آئی ہے۔ جدید انسان نے خدا کو اپنے تمام علمی اور فکری نقشوں سے نکال دیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جغرافیہ، تاریخ، طبیعیات، نباتات، حیوانات، فلکیات وغیرہ تمام علوم نہایت تفصیل کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں۔ مگر ان علوم میں کہیں بھی خدا کا ذکر نہیں۔ ایک شخص جس کو نظر حاصل ہو، جب وہ آنکھ اٹھا کر کائنات کو دیکھتا ہے تو ہر طرف اس کو خدا کا نشان نمایاں نظر آتا ہے، مگر مدوّن علوم میں خدا ہر جگہ ایک غیر موجود چیز ہے۔ ان علوم کو پڑھنے والا کہیں بھی خدا کا کوئی حوالہ نہیں پاتا۔

ان حالات میں دعوت توحید کا کام گویا خدا کو ازسر نو فکر انسانی کے نقشہ پر لکھنا ہے۔ عالمی سطح پر ایک ایسا فکری انقلاب لانا ہے کہ انسان دوبارہ خدائی اصطلاحوں میں سوچنے کے قابل ہو سکے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ توحید اور آخرت کی بات آدمی کی سمجھ میں آئے اور اس کو وہ حقیقت سمجھ کر قبول کر سکے۔ ہمارے اسلاف نے انسانی فکر کی دنیا میں شاکلۂ شرک کو توڑ کر شاکلۂ توحید کو قائم کیا تھا۔ اب ہم کو دوبارہ شاکلۂ الحاد کو ہٹا کر شاکلۂ توحید پر انسانی فکر کا نظام قائم کرنا ہے۔ دعوت کے مسئلہ کا اس سے کم تصور دعوت کے کام کا تخمینہ (Underestimation) ہے جس کی کوئی قیمت نہ بندوں کے نزدیک ہے اور نہ خدا کے نزدیک۔

داعی اور مدعو کا تعلق

دوسرا اہم مسئلہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ بحال کرنا ہے۔ امت مسلمہ کی حیثیت سے مسلمان خدا کے دین کے داعی ہیں اور بقیہ تمام قومیں ان کے لئے مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ انھوں نے دوسری قوموں کو اپنا قومی حریف اور مادی رقیب بنالیا ہے۔ ان قوموں سے وہ ساری دنیا میں معاشی اور سیاسی جھگڑے چھیڑے ہوئے ہیں۔ قرآن میں داعی کا کلمہ لا اسئلکم علیہ من اجر بتایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں حقوق طلبی کے یہ تمام ہنگامے اپنی دعوتی حیثیت کی نفی کے ہم معنی ہیں۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے یہاں ہم کو خدا کے گواہ کا مقام حاصل ہو تو ہم کو یہ قربانی دینی ہوگی کہ دوسری اقوام سے ہمارے دنیوی جھگڑے، خواہ وہ بظاہر درست کیوں نہ ہوں، ان کو ہم یک طرفہ طور پر ختم کردیں تاکہ ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ قائم ہو، ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان وہ معتدل فضا وجود میں آئے جس میں ان کے سامنے توحید اور آخرت کی دعوت پیش کی جائے اور وہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرسکیں۔

صلح حدیبیہ (۶ھ) میں مسلمانوں نے یک طرفہ طور پر مخالفین اسلام کے تمام معاشی اور قومی مطالبات مان لئے تھے۔ انھوں نے اپنے حقوق سے دستبرداری پر خود اپنے ہاتھ سے دستخط کردئے تھے۔ مگر جب مسلمان یہ معاہدہ کرکے لوٹے تو خدا کی طرف سے یہ آیت اتری ——— انا فتحنا لک فتحاً مبینا (الفتح ۱) بظاہر شکست کے معاہدہ کو خدا نے فتح کا معاہدہ کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس معاہدہ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مقابلہ کے میدان کو بدل دیا تھا۔ اب اسلام اور غیر اسلام کا مقابلہ ایک ایسے میدان میں منتقل ہوگیا تھا جہاں اسلام واضح طور پر زیادہ بہتر حیثیت (Advantageous position) میں تھا۔

غیر مسلموں کی جارحیت کی وجہ سے اس وقت اسلام اور غیر اسلام کا مقابلہ جنگ کے میدان میں ہورہا تھا۔ غیر مسلموں کے پاس ہر قسم کے زیادہ بہتر جنگی وسائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلسل غزوات کے باوجود معاملہ کا فیصلہ نہیں ہورہا تھا۔ اب حدیبیہ میں غیر مسلموں کے تمام قومی مطالبات مان کر ان سے یہ عہد لے لیا گیا کہ دونوں فریقوں کے درمیان دس سال تک براہ راست یا بالواسطہ کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

مسلسل جنگی حالات کی وجہ سے اسلام کا دعوتی کام رکا ہوا تھا۔ جنگ بند ہوتے ہی دعوت کا کام

پوری قوت کے ساتھ ہونے لگا۔ جنگی میدان میں اس وقت اسلام کمزور تھا۔ مگر جب مقابلہ پرامن تبلیغ کے میدان میں آگیا تو یہاں شرک کے پاس کچھ نہ تھا جس سے وہ توحید کی حقانیت کا مقابلہ کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے قبائل اتنی کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے کہ کفر کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور معاہدہ کے صرف دوسال کے اندر مکہ فتح ہوگیا۔

موجودہ زمانہ میں بھی اسی طرح کے ایک "معاہدہ حدیبیہ" کی ضرورت ہے۔ مسلمان دوسری قوموں سے ہر جگہ مادی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ مسلمان چون کہ اپنی غفلت کی وجہ سے مادی پہلو سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہوگئے ہیں۔ وہ ہر محاذ پر ان سے شکست کھا رہے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ یک طرفہ قربانی کے ذریعے ان محاذوں کو بند کرکے میدان مقابلہ کو بدل دیا جائے۔ ان قوموں کو مادی مقابلہ کے میدان سے ہٹا کر فکری مقابلہ کے میدان میں لایا جائے۔ قدیم زمانہ میں میدان مقابلہ کی یہ تبدیلی جنگ کو یک طرفہ طور پر ختم کرکے حاصل کی گئی تھی، آج یہ تبدیلی قومی حقوق کی مہم کو یک طرفہ طور پر ختم کرکے حاصل ہوگی۔

قومی مفادات کی یہ قربانی بلاشبہہ ایک نہایت مشکل کام ہے مگر اسی کھونے میں پانے کا سارا راز چھپا ہوا ہے۔ مسلمان جس دن ایسا کریں گے اسی دن فتح اسلام کا آغاز ہو جائے گا۔ کیوں کہ فکری میدان میں کسی اور کے پاس کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ مادی مقابلہ کے میدان میں مسلمانوں کے پاس "روایتی ہتھیار" ہیں اور دوسری قوموں کے پاس "جدید ہتھیار"۔ جب کہ فکری میدان میں مسلمانوں کے پاس حقیقت ہے اور دوسری قوموں کے پاس تعصب، اور حقیقت کے مقابلہ میں تعصب دیر تک ٹھہر نہیں سکتا۔

لٹریچر کی تیاری

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا نے قلم کے ذریعہ انسان کو تعلیم دی (علّم بالقلم، العلق) اس سے اسلامی دعوت کے لئے لٹریچر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مگر اسلامی لٹریچر کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کے نام پر کچھ کتابیں لکھی جائیں اور ان کو کسی نہ کسی طرح مختلف زبانوں میں چھاپ کر تقسیم کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی لٹریچر کا معاملہ کوئی سادہ معاملہ نہیں۔ یہ بشری سطح پر قرآن کا بدل فراہم کرنا ہے۔

خدا نے اپنا کلام عربی زبان میں اتارا ہے۔ مگر اس کی تبلیغ دوسری زبان والوں تک بھی کرنی ہے، اور جیسا کہ ثابت ہے، مدعو کی اپنی زبان میں کرنی ہے (ابراہیم ۴) اس لحاظ سے اگر علّم بالقلم کو وقتی نہ سمجھا جائے بلکہ اس کو ابدی پس منظر (Perspeetive) میں رکھ کر دیکھا جائے تو یقینی طور پر انسان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ دوسری زبانوں میں تعلیم بالقلم کا فریضہ انسان ہی کو ادا کرنا ہے۔

گویا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خدا عربی زبان میں معلّم بالقلم بنا تھا، اب ہم کو دوسری زبانوں میں معلم بالقلم بنا ہے۔ مشہور عرب شاعر لبید نے قرآن کو سن کر شاعری چھوڑ دی۔ کسی نے کہا کہ تم اب شاعری کیوں نہیں کرتے۔ انھوں نے کہا، کیا قرآن کے بعد بھی (ابعد القرآن) اس کا مطلب یہ ہے قرآن نے اپنے زمانہ کے افراد کو ذہنی طور پر مفتوح کر لیا تھا۔ اسی طرح آج دوبارہ ایسا اسلامی لٹریچر درکار ہے جو لوگوں کو ذہنی طور پر مفتوح کر لے۔

بظاہر یہ بات ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس ناممکن کو خود خدا نے ہمارے لئے ممکن بنا دیا ہے۔ خدا نے حق کے داعیوں کی مدد کے لئے انسانی تاریخ میں ایک نیا انقلاب برپا کیا۔ یہاں میری مراد سائنسی انقلاب سے ہے۔ سائنسی انقلاب کے ذریعہ نئے استدلالی امکانات انسان کی دسترس میں آگئے۔ حتی کہ بلاتشبیہہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ مخاطب کے سامنے دین کے حق میں وہ اعجازی استدلال پیش کر سکیں جو پہلے صرف خدا کے پیغمبروں کی دسترس میں ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات ایک عظیم الشان خدائی معجزہ ہے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے خالق کی ذات وصفات کے حق میں معجزاتی دلیل ہے۔ تاہم قدیم زمانہ میں یہ خدائی معجزہ ابھی تک غیر دریافت شدہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس لئے خدا نے قدیم زمانہ میں پیغمبروں کو مخصوص طور پر خارق عادت معجزے دئے۔

مگر پیغمبر اسلام کے مخاطبین کے مسلسل مطالبہ کے باوجود انھیں مذکورہ قسم کا کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ بلکہ قرآن میں کائنات کا حوالہ دیا گیا۔ کہا گیا کہ کائنات میں خدا کی آیات موجود ہیں ان کو دیکھو۔ وہی تمھارے یقین کے لئے کافی ہیں۔ چوں کہ قرآن دور سائنس کے آغاز میں آیا اس لئے قرآن میں کائنات کی نشانیوں کا حوالہ دینا کافی سمجھا گیا۔ ابدی پس منظر میں، قرآن کا مخاطب وہ انسان تھا جو دور سائنس میں جی رہا ہو۔ اور دور سائنس کے انسان کو خدا اور اس کی باتوں پر یقین کرنے کے لئے کسی خارق عادت معجزہ کی ضرورت نہیں۔

معجزہ سے کیا مطلوب ہے۔ معجزہ سے مطلوب محض کوئی حیران کن کرشمہ دکھانا نہیں بلکہ دعوت حق کو مخاطب کے لئے آخری طور پر ثابت شدہ بنانا ہے۔ دعوت کی موافقت میں ایسے دلائل جمع کرنا ہے جس کے بعد مخاطب کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قدیم زمانہ میں اسی مقصد کے لئے خارق عادت معجزہ دکھایا جاتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں یہی کام رموز فطرت کو منکشف کر کے سائنس نے انجام دے دیا ہے۔ واضح ہو کہ قرآن میں پیغمبرانہ معجزوں اور کائناتی نشانیوں کے لئے ایک ہی مشترک لفظ استعمال ہوا

ہے اور وہ آیت (نشانی) ہے۔

خدا کے دین کی دعوت اتمام حجت کی حد تک مطلوب ہے (النساء ۱۶۵) اسی اتمام حجت کے لئے قدیم زمانہ میں پیغمبروں کے ذریعہ معجزے دکھائے گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آج کی قوموں کے لئے بھی یہی مطلوب ہے کہ دین کی دعوت ان کے سامنے اتمام حجت کی حد تک پیش کی جائے۔ پھر موجودہ زمانہ میں اس کا ذریعہ کیا ہے جب کہ پیغمبروں کی آمد اب ختم ہو چکی ہے۔

جدید سائنسی انقلاب اسی سوال کا جواب ہے۔ جدید سائنسی انقلاب کے ذریعہ یہ ممکن ہو گیا ہے کہ دین حق کی تعلیمات کو عین اس معیار پر ثابت کیا جا سکے جو انسان کا اپنا تسلیم شدہ معیار ہے۔ اس سلسلے میں پہلی اہم ترین بات وہ ہے جو طریق استدلال (Methodology) سے تعلق رکھتی ہے۔ جدید سائنس نے مختلف میدانوں میں اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں اس بات کا قطعی اقرار کیا ہے کہ استنباطی استدلال (Inferential Argument) اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنا ہی معقول (Valid) ہے جتنا کہ براہ راست استدلال۔ یہی قرآن کا طرز استدلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں علم انسانی نے قرآن کے طرز استدلال کو عین وہی درجہ دے دیا ہے جو علوم دینیہ سے باہر خود انسان کا تسلیم شدہ طرز استدلال ہے۔

جدید سائنس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جو چیز پہلے صرف خارجی اطلاع کی حیثیت رکھتی تھی وہ اب خود انسانی دریافت بن چکی ہے۔ جدید سائنس نے معلوم کیا ہے کہ انسان اپنی محدودیت (Limitations) کی وجہ سے کلی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی رہنمائی کے لئے وحی کی ضرورت ہے۔ جدید سائنس نے معلوم کیا ہے کہ کائنات میں تحکمی نظام (Arbitrary System) ہے اس سے واضح طور پر خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ جدید سائنس نے معلوم کیا ہے کہ موجودہ دنیا کے ساتھ ایک اور غیر مرئی متوازی دنیا موجود ہے جس کا سائنسی نام اینٹی ورلڈ (Antiworld) ہے۔ اس سے واضح طور پر عالم آخرت کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ وغیرہ

اسی طرح مقناطیسی میدان (Magnetic Field) اور حرکت (Motion) کی یکجائی سے بجلی کی روشنی کا پیدا ہونا ویسا ہی ایک حیرت ناک خدائی معجزہ ہے جیسا ہاتھ کو بغل میں رکھ کر نکالنے سے ہاتھ کا غیر معمولی طور پر چمک اٹھنا، بڑے بڑے جہازوں کا اتھاہ سمندروں اور ناقابل عبور فضاؤں میں انسان کو لے کر دوڑنا ویسا ہی دہشت خیز خدائی معجزہ ہے جیسا دریا کا پھٹ کر انسانوں کو پار ہونے کا راستہ دینا۔ مادہ سے متحرک مشینوں کا وجود میں آنا ویسا ہی عجیب خدائی معجزہ ہے جیسا لاٹھی کا سانپ بن کر چلنے لگنا۔

واقعہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں پیغمبروں کو جو معجزے دیے گئے وہ سب باعتبار مواد استدلال خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں وسیع پیمانہ پر موجود ہیں۔ مگر قدیم زمانہ میں چوں کہ وہ انسان کے علم میں نہیں آئے تھے اس لئے خدا نے لوگوں کو خارق عادت معجزے دکھائے۔ آج سائنسی تحقیقات نے فطرت کی یہ نشانیاں کھول دی ہیں اس لئے آج کے انسان کے یقین و ایمان کے لئے وہی کافی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنسی انقلاب خدا کے معجزہ کا ظہور ہے۔ اس کے ذریعہ خدا کی تمام باتیں اعجازی سطح پر ثابت ہو رہی ہیں۔ اگر ان سے گہری واقفیت حاصل کی جائے اور ان کو دعوت حق کی حمایت میں استعمال کیا جائے تو یہ دعوت کے ساتھ معجزہ کو جمع کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر آج ہم حقیقی معنوں میں سائنسی دلائل کے ساتھ دین کی دعوت پیش کر سکیں تو زمین پر دوبارہ یہ واقعہ ظہور میں آئے گا کہ وقت کا لبید یہ کہہ دے کہ ـــــ کیا حقیقت کے اس طرح ثابت ہو جانے کے بعد بھی۔

سائنسی استدلال موجودہ زمانہ میں معجزاتی استدلال کا بدل ہے۔ جدید سائنس نے تمام دینی تعلیمات کو علمی طور پر ثابت شدہ یا کم از کم قابل فہم (Understandable) بنا دیا ہے۔ تاہم اسلام کے داعیوں نے ابھی تک اس کو واقعی معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ راقم الحروف نے اس موضوع پر دس سالہ مطالعہ کے بعد ۱۹۶۴ میں ایک کتاب (مذہب اور جدید چیلنج) لکھی تھی جو عربی زبان میں الاسلام یتحدی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ تاہم پچھلے ۲۰ سال میں علم کا دریا بہت آگے جا چکا ہے۔ چنانچہ اب میں اس موضوع پر انشاء اللہ دوسری جامع تر کتاب تیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جس کا انگریزی نام God Arises ہوگا۔ وبید اللہ التوفیق۔

موافق امکانات

دعوت دین کا کام انتہائی مشکل کام ہے۔ مگر اللہ نے اپنی خصوصی رحمت سے اس کو ہمارے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی تاریخ میں ایسی تبدیلیاں کیں جس نے ہمارے لئے نئے مواقع کھول دئے۔ موجودہ زمانہ میں یہ تاریخی عمل اپنی آخری حد کو پہنچ گیا ہے۔ حتی کہ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جو کام پہلے "خون" کے ذریعے کرنا پڑتا تھا، اس کو اب قلم کی سیاہی کے ذریعے انجام دیا جا سکے۔

اس عمل تیسیر کے تین خاص پہلو ہیں جن کی طرف قرآن میں اشارے کئے گئے ہیں۔

۱۔ قرآن میں اہل ایمان کو یہ دعا تلقین کی گئی کہ ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا (خدایا، ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے پچھلی امتوں پر ڈالا تھا)

اگر الفاظ بدل کر اس آیت کی تفسیر کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت توحید کا جو کام پچھلے داعیوں کو پابندی رائے کے ماحول میں کرنا پڑتا تھا، اس کو ہمیں آزادی رائے کے ماحول میں کرنے کا موقع عطا فرما۔ پہلے زمانہ میں یہ صورت حال تھی کہ توحید کا اعلان کرنے والے کو پتھر مارے جاتے۔ اس کو آگ میں ڈال دیا جاتا۔ اس کے جسم کو آرے سے چیر دیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے زمانہ میں حکومت کی بنیاد شرک پر قائم تھی۔ پچھلے زمانہ کے بادشاہ مفروضہ دیوتاؤں کے نمائندہ بن کر حکومت کرتے تھے۔ اس لئے جب کوئی شخص شرک کو بے بنیاد قرار دیتا تو اس زمانہ کے بادشاہوں کو محسوس ہوتا کہ وہ نظریاتی بنیاد ختم ہو رہی ہے جس پر انھوں نے اپنی حکومت کو قائم کر رکھا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو انقلاب آیا اس نے شرک کی اجتماعی حیثیت کو ختم کر کے اس کو ایک ذاتی عقیدہ بنا دیا۔ اب شرک الگ ہو گیا اور سیاسی ادارہ الگ۔ اس طرح وہ دور ختم ہو گیا جب کہ شرک لوگوں کے لئے اعلان توحید کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن میں ان الفاظ میں آئی ہے ـــــ وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے جب توہم پرستی اور شخصی تقدس کا خاتمہ کیا تو نسلی بادشاہت کی بنیادیں بھی ہل گئیں۔ چنانچہ انسانی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوا جو بالآخر یورپ پہنچ کر جمہوریت (Democracy) کی صورت میں مکمل ہوا۔ اس کے بعد شخصی حاکمیت کے بجائے عوامی حاکمیت کا اصول دنیا میں رائج ہوا اور آزادئ رائے کو ہر آدمی کا مقدس حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس عالمی فکری انقلاب نے داعیان حق کے لئے یہ عظیم امکان کھول دیا کہ وہ غیر ضروری رکاوٹوں سے بے خوف ہو کر ساری دنیا میں حق کے اعلان کا کام انجام دے سکیں۔

۲. قرآن میں یہ اعلان کیا گیا کہ سنريهم اياتنا في الآفاق وفي انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق (ہم عنقریب آفاق میں اور انفس میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جس سے کھل جائے کہ یہ سراسر حق ہے) قرآن کی اس آیت میں اس انقلاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جدید سائنسی انقلاب کہا جاتا ہے۔

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی دلیل ہے۔ تمام مخلوقات اپنے خالق کی صفات کا اظہار کر رہی ہیں۔ گویا کائنات قرآن کی دلیل ہے۔ تاہم یہ دلیل سائنسی انقلاب سے پہلے بڑی حد تک غیر دریافت شدہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ اس دریافت کے لئے ضروری تھا کہ چیزوں کی گہرائی کے ساتھ

تحقیق کی جائے۔ مگر شرک کا عقیدہ اس تحقیق کی راہ میں حائل تھا۔ مشرک انسان کائنات کے مظاہر کو پرستش کی چیز سمجھے ہوئے تھا۔ پھر وہ اس کو تحقیق کی چیز کیسے بناتا۔

توحید کے عمومی انقلاب نے اس رکاوٹ کو ختم کر دیا۔ اسلامی انقلاب کے بعد کائنات کے تقدس کا ذہن ختم ہوگیا۔ اب کائنات کے مظاہر پر آزادانہ غور و فکر شروع ہوگیا۔ یہ کام صدیوں تک عالمی سطح پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ یورپ پہنچا۔ یورپ میں اس کو موزوں زمین ملی۔ یہاں اس نے تیزی سے ترقی کی۔ یہاں وہ عظیم فکری انقلاب ظہور میں آیا جس کو موجودہ زمانہ میں سائنسی انقلاب کہا جاتا ہے۔

سائنسی تحقیق کے ذریعے کائنات کے جو حقائق معلوم ہوئے ہیں وہ قرآن کی دعوت کو قطعیات کی سطح پر ثابت کر رہے ہیں۔ اس کی تفصیل راقم الحروف نے اپنی کتاب مذہب اور جدید چیلنج (الاسلام یتحدی) میں کی ہے۔ جو لوگ زیادہ تفصیل کے خواہش مند ہوں وہ اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۳۔ اس سلسلے میں تیسری چیز وہ ہے جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ــــ عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا (قریب ہے کہ اللہ تم کو ایک مقام محمود پر کھڑا کرے)

محمود کے معنی ہیں "تعریف کیا ہوا"۔ تعریف دراصل تسلیم و اعتراف کی آخری صورت ہے۔ کسی کو ماننے والا جب اس کو ماننے کی آخری حد پر پہنچتا ہے تو وہ اس کی تعریف کرنے لگتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اسکیم یہ تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلیم شدہ نبوت کے مقام پر کھڑا کرے۔ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھی محمود تھے اور آخرت میں بھی محمود۔ شفاعت کبریٰ جس کا ذکر حدیث میں ہے وہ آخرت میں آپ کا مقام محمود ہے اور آپ کا تاریخی طور پر مسلم اور معترف ہونا دنیا میں آپ کا مقام محمود۔

خدا کی طرف سے ہر دور میں اور ہر قوم میں پیغمبر آئے۔ یہ سب سچے پیغمبر تھے۔ ان سب کا پیغام بھی ایک تھا۔ مگر مختلف اسباب سے ان پیغمبروں کو تاریخی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ تاریخی ریکارڈ کے مطابق آج کے انسان کے لئے ان پیغمبروں کی حیثیت نزاعی نبوت کی ہے نہ کہ مسلمہ نبوت کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت تاریخی طور پر ایک ثابت شدہ نبوت ہے۔ جب کہ دوسرے نبیوں کی نبوت تاریخی طور پر ثابت شدہ نہیں۔ اس بنا پر آج یہ ممکن ہوگیا ہے کہ ہم تسلیم شدہ (Established) نبوت کی سطح پر دین کی دعوت دے سکیں۔ جب کہ اس سے پہلے ہمیشہ متنازعہ (Controversial) نبوت کی سطح پر دین کی دعوت دینی پڑتی تھی۔

ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیائے (اسلامی نام: محمد عزیز الدین) ہندستان کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو تھے۔ وہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر چٹوپادھیائے کو حق کی تلاش ہوئی۔ اس غرض سے انھوں نے ہندی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی وغیرہ زبانیں سیکھیں۔ انھوں نے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا۔ مگر وہ کسی پر مطمئن نہ ہوسکے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے پایا کہ یہ تمام مذاہب تاریخی معیار پر ثابت نہیں ہوتے۔ پھر کس طرح ان کی واقعیت پر یقین کیا جائے اور ان کو مستند سمجھا جائے۔

آخر میں انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسلام کی تعلیمات آج بھی اپنی اصل صورت میں پوری طرح محفوظ ہیں۔ اسلام کی شخصیات مکمل طور پر تاریخی شخصیات ہیں نہ کہ دیو مالائی شخصیات۔ وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے پایا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی میں کوئی چیز مبہم اور دھندلی نہیں۔ اور نہ پراسرار یا دیومالائی ہے، جیسا کہ مثال کے طور پر، زرتشت اور شری کرشن کے یہاں، حتیٰ کہ بدھا اور مسیح کے یہاں ہے۔ دیگر پیغمبروں کے وجود تک کے بارہ میں اہل علم نے شبہہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ انکار کیا ہے مگر جہاں تک میں جانتا ہوں، پیغمبر اسلام کے بارہ میں کوئی یہ جرأت نہ کرسکا کہ ان کو توہماتی عقیدہ یا پریوں کی کہانی کہہ سکے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیائے کہتے ہیں:

Oh, what a relief to find, after all,
a truly historical Prophet to believe in.

اُف، کیسا عجیب تسکین کا سامان ہے کہ بالآخر آدمی واقعی معنوں میں ایک تاریخی پیغمبر کو پالے جس پر وہ ایمان لاسکے۔

یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن میں مقام محمود (الاسراء ۷۹) کہا گیا ہے۔ نبوت تاریخی ہی کا دوسرا نام نبوت محمودی ہے۔ پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر کھڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے پیغمبروں کی طرح، تاریخی طور پر کوئی نامعلوم شخصیت یا غیر ثابت شدہ شخصیت نہیں ہوں گے، بلکہ آپ تمام انسانوں کے لئے پوری طرح ایک معلوم اور مسلّم شخصیت ہوں گے۔ آپ کی سیرت بھی ایک محفوظ سیرت ہوگی اور آپ کی تعلیم بھی ایک محفوظ تعلیم۔

یہ داعیان اسلام کے لئے موجودہ زمانہ میں بہت بڑا Advantage ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے میدان میں وہ بلا مقابلہ کامیابی حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔

انسان پیدائشی طور پر اپنی فطرت میں خدا کی طلب لے کر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو سچائی کی تلاش ہوتی ہے۔ وہ انسانی علوم میں اپنی طلب کا جواب دریافت کرنا چاہتا ہے مگر وہ دریافت نہیں کر پاتا۔ پھر وہ مذاہب کا مطالعہ کرتا ہے تو پاتا ہے کہ موجودہ تمام مذاہب تاریخی پہلو سے غیر محفوظ ہیں۔ ان کو تاریخی اعتباریت (Historical credibility) کا درجہ حاصل نہیں۔ یہاں ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ انسان سے کہہ سکیں کہ تم جس چیز کی تلاش میں ہو وہ محفوظ اور مستند حالت میں ہمارے یہاں موجود ہے۔ دوسروں کے پاس صرف غیر تاریخی پیغمبر ہیں جن کو وہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مگر اسلام کا پیغمبر مکمل طور پر ایک تاریخی پیغمبر ہے۔ تاریخ کے مسلمہ معیار کے مطابق آپ کے بارہ میں کسی قسم کا شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ دوسروں کے پاس متنازعہ نبوت ہے اور اسلام کے پاس مسلمہ نبوت۔

یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظیم نعمت ہے۔ اس نے ممکن بنا دیا ہے کہ خدا کے دین کی دعوت آج مسلّمہ نبوت کی سطح پر دی جائے، جب کہ اس سے پہلے وہ صرف متنازعہ نبوت کی سطح پر دی جا سکتی تھی۔

مخالفانہ عمل کو ختم کرنا

موجودہ زمانہ میں اسلامی دعوت کا کام دراصل جدید اقوام پر اتمام حجت کے ہم معنی ہے۔ یہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ جس کے لئے عظیم الشان وسائل اور غیر معمولی موافق حالات درکار ہیں۔ یہ وسائل اور حالات مسلم ملکوں میں یقینی طور پر مل سکتے ہیں۔ مگر وہ اسی وقت مل سکتے ہیں جب کہ مسلم حکومتوں کو اسلامی دعوت کا حریف نہ بنا یا جائے۔

۱۸۹۱ کا واقعہ ہے کہ جاپان کے شہنشاہ میجی (۱۹۱۲ - ۱۸۶۸) کا ایک خط ترکی کے سلطان عبد الحمید ثانی کو ملا۔ اس خط میں سلطان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ مسلم مبلغین کو جاپان بھیجے تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کو اسلام سے واقف کرائیں۔ سلطان عبد الحمید نے اس اہم کام کے لئے سید جمال الدین افغانی کا انتخاب کیا اور ان کو ہر طرح کے سرکاری تعاون کا یقین دلایا۔

مگر یہی سید جمال الدین افغانی جن کو سلطان عبد الحمید نے اس قدر احترام اور تعاون کا مستحق سمجھا تھا، بعد کو اسی سلطان نے سید جمال الدین افغانی کو جیل میں بند کر دیا۔ حتی کہ جیل خانہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان کو معلوم ہوا کہ سید جمال الدین افغانی اس کے خلاف سیاسی سازش میں مشغول ہیں۔ جمال الدین افغانی سلطان کو مغربی استعمار کا ایجنٹ سمجھتے تھے اور اس کو تخت سے بے دخل کر دینا چاہتے تھے۔ جو شخص جاپان میں اسلام کی تاریخ کا آغاز کرنے والا بن سکتا تھا وہ صرف جیل کے رجسٹر میں اپنے نام کا اضافہ کر کے رہ گیا۔

یہی تمام مسلم حکمرانوں کا حال ہے۔ اگر آپ اسلامی دعوت کے کام میں مشغول ہوں تو وہ ہر طرح کا اعلیٰ ترین تعاون آپ کو دیں گے۔ لیکن اگر آپ ان کے خلاف سیاسی مہم چلائیں تو وہ آپ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

بدقسمتی سے موجودہ زمانہ میں مسلسل سید جمال الدین افغانی کے اسوہ کو دہرایا جا رہا ہے۔ مسلمان کہیں ایک عنوان سے اور کہیں دوسرے عنوان سے، اپنے حکمرانوں کے خلاف سیاسی لڑائی میں مشغول ہیں۔ حتی کہ آج "اسلامی دعوت" کا لفظ مسلم حکمرانوں کے لئے سیاسی اپوزیشن کے ہم معنی بن کر رہ گیا ہے۔

اس کی وجہ سے نہ صرف یہ نقصان ہوا ہے کہ اسلامی دعوت کی مہم میں مسلم حکومتوں کا بھرپور تعاون حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص حکومت سے بے نیاز ہو کر ذاتی طور پر اس ذمہ داری کو ادا کرنا چاہے تو حکومت اس کو شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتی ہے۔

ضرورت ہے کہ مسلم حکمرانوں سے سیاسی منازعت کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے، خواہ وہ اسلام کے نام پر ہو یا کسی اور نام پر۔ تاکہ ہر مسلم ملک میں اسلامی کارکنوں کو ان کی قومی حکومتوں کا تعاون حاصل ہو اور اسلام کے احیاء کا کام بڑے پیمانہ پر شروع کیا جا سکے، غیر مسلموں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے بھی اور خود مسلمانوں کی اپنی تعمیر و اصلاح کے لئے بھی۔

افراد کار کی فراہمی

دعوت اسلامی کی ذمہ داری کو ادا کرنے اور موجودہ مواقع کو استعمال کرنے کے لئے افراد کار کی ضرورت ہے۔ قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ منتخب لوگ مخصوص تربیت کے ذریعہ اس مقصد کے لئے تیار کئے جائیں۔ وہ دین میں تفقہ حاصل کر کے مختلف قوموں میں جائیں اور ان کو توحید کی تعلیم دیں اور آخرت سے آگاہ کریں (فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم، التوبہ ۱۲۲)

آج دنیا میں مسلمانوں کے بے شمار مدرسے اور تعلیم کے ادارے ہیں مگر ساری دنیا میں کوئی ایک مدرسہ بھی خاص اس مقصد کے لئے موجود نہیں جہاں خالص دعوتی ضرورت کے تحت لوگوں کی تعلیم و تربیت کی جائے تاکہ وہ وقت کی ضرورت کے مطابق تیار ہو کر موثر انداز میں لوگوں کے اوپر دعوت الی اللہ اور انذار آخرت کا کام کریں۔ آج کی ناگزیر ضرورت ہے کہ ایسی ایک تعلیم گاہ قائم کی جائے اور اس کو معیار کے مطابق بنانے کے لئے ہر وہ قیمت ادا کی جائے جو موجودہ حالات میں ضروری ہے۔

افراد کار کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کو صرف "باعلم" نہیں بلکہ "بامقصد" ہونا چاہیئے۔ مقصد کے بغیر علم صرف معلومات ہے۔ مگر علم جب مقصد کے ساتھ ہو تو وہ معرفت بن جاتا ہے۔ اگر ایک ایسی تعلیم گاہ قائم ہو جہاں ڈگری یافتہ اساتذہ کے ذریعے لوگوں کو قدیم وجدید علوم پڑھا دیے جائیں تو صرف اس بنا پر وہ مطلوبہ داعی نہیں بن جائیں گے۔ ضروری ہے کہ ان کے سینہ میں مقصد کی آگ لگی ہوئی ہو۔ کیوں کہ مقصد ہی لوگوں کے اندر وہ اعلیٰ فکر اور اعلیٰ کردار پیدا کرتا ہے جس کے ذریعے وہ دعوت کے میدان میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں۔

خواہ کوئی دنیوی مقصد ہو یا دینی مقصد، دونوں ہی کے لئے ایسے افراد درکار ہیں جو ایک اعلیٰ مقصد کی خاطر ہر قسم کی ضروری قربانی دے سکیں۔

ٹائمس (*The Times*) لندن کا ایک قدیم اخبار ہے۔ اس اخبار میں ۱۹۰۰ میں ایک اشتہار چھپا۔ اس اشتہار کے ساتھ نہ عورتوں کی تصویریں تھیں نہ کسی قسم کے بناوٹی تماشے۔ اس میں ایک چھوٹے سے چوکھٹے میں حسب ذیل الفاظ درج تھے ——— ایک جوکھم کے سفر کے لئے آدمی درکار ہیں۔ معمولی رقم، سخت سردی، مکمل تاریکی کے لمبے مہینے، مسلسل خطرہ، محفوظ واپسی مشتبہ۔ کامیابی کی صورت میں عزت اور اعتراف:

> Men wanted for Hazardous Journey. Small wages, bitter cold, long months of complete darkness, constant danger, safe return doubtful. Honour and recognition in case of success.
> —Sir Ernest Shackleton

یہ اشتہار قطب جنوبی کی مہم کے لئے تھا۔ اس کے جواب میں اتنی زیادہ درخواستیں آئیں کہ ذمہ داروں کو ان میں سے انتخاب کرنا پڑا۔ اسی قسم کے بلند ہمت لوگ تھے جو مغرب میں سائنسی انقلاب لائے اور اہل مغرب کے لئے عالمی قیادت کی راہ ہموار کی۔

مذکورہ بالا مثال ایک دنیوی مثال تھی۔ یہی معاملہ ان لوگوں کا بھی ہے جنھوں نے اسلام کی تاریخ بنائی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار مدینہ کے نمائندہ افراد سے رسول اللہ صلے اللہ کی گفتگو اس کی نمایاں مثال پیش کرتی ہے۔ یہاں ہم سیرۃ ابن ہشام کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں:

قال کعب ثم خرجنا الی الحج و واعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العقبۃ من اوسط ایام التشریق فلما فرغنا من الحج وکانت اللیلۃ التی واعدنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم وکنّا نکتم من معنا من قومنا من المشرکین امرنا ... قال فنمنا تلک اللیلۃ مع قومنا فی رحالنا حتی اذا مضیٰ ثلث اللیل خرجنا من رحالنا لمیعاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتسلّل تسلل القطا

مستخفين حتى اجتمعنا في الشعب عند العقبة ونحن ثلاثة وسبعون رجلا ومعنا امرأتان من نسائنا ٤٩

قال ابن اسحاق وحدثني عاصم بن عمر بن قتادة ان القوم لما اجتمعوا لبيعة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال العباس بن عبادة بن نضلة الانصاري يا معشر الخزرج هل تدرون علام تبايعون هذا الرجل قالوا نعم قال انكم تبايعونه على حرب الاحمر والاسود من الناس فان كنتم ترون انكم اذا نهكت اموالكم مصيبة واشرافكم قتل اسلمتموه فمن الآن فهو والله ان فعلتم. خزي الدنيا والآخرة وان كنتم ترون انكم وافون له بما دعوتموه اليه على نهكة الاموال وقتل الاشراف فخذوه فهو والله خير الدنيا والآخرة قالوا فانا نأخذه على مصيبة الاموال وقتل الاشراف فما لنا بذلك يا رسول الله ان نحن وفينا قال الجنة قالوا ابسط يدك فبسط يده فبايعوه (٥٥) سيرة النبي لابي محمد عبد الملك بن هشام الجزء الثاني ..

اسی قسم کے باشعور اور باہمت اصحاب تھے جنھوں نے تاریخ میں شرک کے تسلسل کو ختم کیا اور انسانی تاریخ کے رخ کو بدل دیا۔ آج دوبارہ تاریخ کو وہی حرکت دینے کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف نے اپنے زمانہ میں دیا تھا۔ انھوں نے شرک کا دور ختم کرکے توحید کا دور شروع کیا۔ اب ہم کو الحاد کا دور ختم کرکے دوبارہ توحید کا دور انسانی تاریخ میں لانا ہے۔ یہ ایک بہت اعلیٰ کام ہے۔ اور اس کے لئے اعلیٰ افراد انتہائی طور پر ضروری ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسے افراد تیار کئے جائیں۔ ڈاکٹر فلپ۔ کے ہٹی کے الفاظ میں، آج اسلام کو دوبارہ ایک ہیروؤں کی نرسری (Nursery of heroes) درکار ہے۔ اس کے بغیر یہ اہم کام انجام نہیں پاسکتا۔ مذکورہ درسگاہ گویا اسی قسم کی ایک نرسری ہوگی جہاں دعوت اسلامی کے ہیرو تیار کئے جائیں۔

دعوتی مرکز کا قیام

اوپر میں نے ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیا (اسلامی نام محمد عزیز الدین) کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ۱۹۰۴ کے لکچر میں قدیم حیدرآباد میں کہا تھا:

I feel sure, that if a comprehensive Islamic mission were started in Hyderabad (India) to preach the simple and sublime truths of Islam to the people of Europe, America and Japan, there would be such rapid and enormous accession to its ranks as has not been witnessed again ever since the first centuries of the Hejira. Will you, therefore, organise a grand central Islamic Mission here in Hyderabad and open branches in Europe, America and in Japan? *Why have I Accepted Islam*, Dr Nishikanta Chattopadhya.

مجھ کو یقین ہے کہ اگر حیدر آباد میں ایک مکمل اسلامی مشن شروع کیا جائے جس کا مقصد اسلام کی صاف اور سادہ سچائیوں کی تبلیغ ہو اور اس کو یورپ، امریکہ اور جاپان کے لوگوں تک پہنچایا جائے تو اسلام اتنی تیز اور عظیم سطح سے نفوذ کرے گا جس کی مثال پہلی صدی ہجری کے بعد دوبارہ نہیں دیکھی گئی۔
کیا آپ لوگ اسلامی مشن کا ایک عظیم مرکز حیدر آباد (ہندستان) میں بنائیں گے جس کی شاخیں یورپ امریکہ اور جاپان میں ہوں۔ (واضح ہو کہ حیدر آباد کا لفظ یہاں محض اتفاقی ہے۔ اس سے مراد کوئی بھی مناسب شہر ہے نہ کہ صرف حیدر آباد)

ایک سعید مسلم روح نے ۸۰ سال پہلے یہ بات کہی تھی۔ مگر بدقسمتی سے ابھی تک یہ واقعہ نہ بن سکی۔ آج سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا عظیم دعوتی مرکز قائم کیا جائے جو تمام جدید وسائل سے لیس ہو۔ جہاں ہر قسم کے ضروری دعوتی اور تربیتی شعبے قائم ہوں۔ اور اسی کے ساتھ وہ ہر قسم کی سیاست اور ہر قسم کے قومی جھگڑوں سے الگ ہو کر کام کرے۔ ایک اعلیٰ دعوتی مرکز کے ساتھ اگر یہ چیزیں جمع کر دی جائیں تو یقینی ہے کہ اسلام کی وہ نئی تاریخ دوبارہ بننا شروع ہو جائے گی جس کا ہم مدت سے انتظار کر رہے ہیں مگر وہ ابھی تک ظہور میں نہ آسکی۔

نوٹ : یہ مقالہ (عربی زبان میں) الجامعۃ الاسلامیہ (مدینہ منورہ) کے قاعۃ الکبریٰ میں ۲ مارچ ۱۹۸۴ کو پڑھ کر سنایا گیا۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہوجاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

'Introduction to Islam' Series

1. **The Way to Find God**
2. **The Teachings of Islam**
3. **The Good Life**
4. **The Garden of Paradise**
5. **The Fire of Hell**

The series provides the general public with an accurate and comprehensive picture of Islam—the true religion of submission to God. The first pamphlet shows that the true path is the path that God has revealed to man through His prophets. The second pamphlet is an introduction to various aspects of the Islamic life under forty-five separate headings. Qur'anic teachings have been summarized in the third pamphlet in words taken from the Qur'an itself. In the fourth pamphlet the life that makes man worthy of Paradise has been described and in the last pamphlet the life that will condemn him to Hell-fire.

Price per set: Rs 24.00

Maktaba Al-Risala
C-29 Nizamuddin West New Delhi 110013

Regd. D (DN)No.532
Regd. R.N. No. 28822/76

June, 1984
Issue No. 91

AL-RISALA MONTHLY

C-29 NIZAMUDDIN WEST NEW DELHI 110 013 Tel. 611128

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اوّل	50/-
الاسلام	20/-
مذہب اور جدید چیلنج	25/-
ظہورِ اسلام	25/-
احیاءِ اسلام	15/-
پیغمبرِ انقلاب	25/-
دین کیا ہے	2/-
قرآن کا مطلوب انسان	5/-
تجدیدِ دین	3/-
اسلام دینِ فطرت	3/-
تعمیرِ ملت	3/-
تاریخ کا سبق	3/-
مذہب اور سائنس	5/-
عقلیاتِ اسلام	3/-
فسادات کا مسئلہ	2/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	2/-
تعارفِ اسلام	3/-
اسلام پندرھویں صدی میں	2/-
راہیں بند نہیں	3/-
ایمانی طاقت	3/-
اتحادِ ملت	3/-

سبق آموز واقعات	3/-
زلزلۂ قیامت	4/-
حقیقت کی تلاش	3/-
پیغمبرِ اسلام	3/-
آخری سفر	3/-
حقیقتِ حج	2/-
اسلامی دعوت	3/-
خدا اور انسان	3/-

تعارفی سٹ

سچّا راستہ	2/-
دینی تعلیم	3/-
حیاتِ طیّبہ	3/-
باغِ جنّت	3/-
نارِ جہنّم	3/-

English Publications

The Way to Find God	4/-
The Teachings of Islam	5/-
The Good Life	5/-
The Garden of Paradise	5/-
The Fire of Hell	5/-
Mohammad: The Ideal Character	3/-

مکتبہ الرسالہ سی - ۲۹، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳